باب دہم

خاموشی اور کم گوئی

www.MinhajBooks.com

www.MinhajBooks.com

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش www.MinhajBooks.com

خاموشی کا مفہوم

خاموشی کے لفظی معنی چپ رہنے کے ہیں مگر اہلِ تصوف کے نزدیک خاموشی باطنی توجہ کو کہتے ہیں اور اس سے مراد یہ ہے کہ ایسی بات کہی جائے جس کی ضرورت ہو اور ہر اس بات سے بچا جائے جس میں کوئی دینی و دنیوی منفعت کا پہلو موجود نہ ہو۔

قوتِ گویائی وہ نعمتِ خداوندی ہے جس کی بدولت انسان دیگر مخلوقات سے ممتاز ہوتا ہے۔ گفتگو سے انسان کی شخصیت کا اظہار ہوتا ہے اور اس کے مثبت یا منفی پہلو سامنے آجاتے ہیں۔ کلام کرنے سے ہی انسان کی خوابیدہ صلاحیتیں بیدار ہوتی ہیں اور ان میں نکھار پیدا ہوتا ہے۔ لہٰذا خاموشی مطلقاً گفتگو کے متضاد اور مخالف نہیں۔ کوئی شخص گفتگو کرنے کے باوجود خاموش طبع ہوسکتا ہے۔ مفید اور بامقصد گفتگو خاموشی ہی کے دائرے میں شامل ہے۔ امام غزالی علیہ الرحمۃ (۴۵۰۔۵۰۵ھ) اپنی کتاب ''إحیاء علوم الدین'' میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول نقل کرتے ہیں:

''حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ ہمیں ایسا عمل بتائیں جس سے ہم جنت میں داخل ہوجائیں۔ آپ علیہ السلام نے خاموش رہنے کی تلقین فرمائی۔ لوگوں نے کہا کہ ایسا تو بہت مشکل ہے۔ اس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ صرف بھلائی کی بات کی جائے۔''(۱)

خاموشی کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اس سے انسان کے خیالات مجتمع رہتے ہیں اور تفکر و تدبر کے مواقع بھی میسر آتے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

---

(۱) غزالی، إحیاء علوم الدین، ۳: ۲۴۶

اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قف مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ط وَ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ لَكٰفِرُوْنَ ○[1]

’’کیا انہوں نے اپنے مَن میں کبھی غور نہیں کیا کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے پیدا نہیں فرمایا مگر (نظامِ) حق اور مقرّرہ مدت (کے دورانیے) کے ساتھ، اور بیشک بہت سے لوگ اپنے رب کی ملاقات کے مُنکِر ہیں○‘‘

خاموشی وہ نعمت ہے جس سے دل میں نئے نئے خیالات جنم لیتے ہیں اور درست قول وعمل کی توفیق نصیب ہوتی ہے۔بعض اوقات خاموشی فصیح و بلیغ تقریروں سے زیادہ کام کرتی ہے۔اس سے روشن ضمیری اور پختہ خیالی جنم لیتی ہے۔اس کی بہت سی مثالیں تاریخ میں موجود ہیں اور روز مرّہ مشاہدہ میں آتی ہیں۔ ہر خاموشی میں کوئی نہ کوئی ایسا پیغام چھپا ہوتا ہے جس کی تاثیر کئی تحریروں اور تقریروں سے بھی بڑھ کر ہوتی ہے۔

کسی نے کیا خوب کہا ہے:

خاموش لوگ بلا کے خطیب ہوتے ہیں

کسی دانشور کا قول ہے

’’ایک خاموشی ہزار جوابوں سے بہتر ہے۔‘‘

اولیاء کرام چونکہ اکثر خاموش رہتے ہیں اس لئے ان پر انوار وتجلیاتِ الٰہیہ کا نزول ہوتا رہتا ہے،جبکہ جہلاء کا اکثر وقت یاوہ گوئی میں گزرتا ہے اس لئے رحمتِ الٰہیہ سے محرومی اس کا مقدر ٹھہرتی ہے۔

(۱) الروم، ۳۰: ۸

وقت ایک قیمتی سرمایہ ہے جو شخص اسے لایعنی گفتگو میں صرف کرتا ہے وہ اپنے مال کو ضائع کر کے اپنی کم عقلی کا ثبوت فراہم کرتا ہے اور جو شخص ہمیشہ تول کر بولتا ہے، وہ اس سرمایہ کی حفاظت کر کے اپنی دانشمندی کا مظاہرہ کرتا ہے۔

خاموشی کی اقسام

شیخ اکبر علامہ ابن عربی (م ۶۳۸ ھ) نے خاموشی کی دو اقسام بیان فرمائی ہیں:

۱۔ زبان کی خاموشی

۲۔ دل کی خاموشی

۱۔ زبان کی خاموشی یہ ہے کہ زبان ان باتوں کو چھوڑ دے جن کا تعلق غیر اللہ کے ساتھ ہو، خاموشی کی یہ قسم عوام اور راہِ طریقت کے سالکین کی منزل ہے۔

۲۔ دل کی خاموشی یہ ہے کہ دل میں شیطانی وسوسہ کسی وقت بھی پیدا نہ ہو۔ خاموشی کی یہ قسم مقربین، اہل مشاہدہ اور صاحبانِ حال کی منزل ہے۔

جو شخص زبان کا خاموش ہو لیکن دل کا خاموش نہ ہو تو اس کے گناہوں کا وزن ہلکا ہوتا ہے۔ جس شخص کا دل خاموش ہو لیکن زبان خاموش نہ ہو تو وہ جب بھی بولے گا حکمت و دانائی کی بات کرے گا۔ جس شخص کی زبان اور دل دونوں خاموش ہوں اس پر مخفی اسرار کھلتے اور تجلیاتِ ربّانی وارد ہوتی ہیں۔ ایسا شخص جس کی نہ زبان خاموش رہے اور نہ دل، شیطان کا غلام اور تابع ہوتا ہے۔ حضور دا تا گنج بخش علیہ الرحمۃ (م ۴۷۰ ھ) اپنی کتاب ’’کشف المحجوب‘‘ میں لکھتے ہیں:

’’کلام کی دو اقسام ہیں۔ ایک کلامِ حق ہے اور دوسرا کلامِ باطل، سکوت بھی دو طرح کے ہیں۔ ایک سکوت حصولِ مقصد کے لیے اور دوسرا سکوت غفلت کی وجہ سے ہے۔

حضرت علی ہجویری علیہ الرحمۃ اس حوالے سے ایک حکایت نقل کرتے ہیں کہ ایک روز ابو بکر

شبلی علیہ الرحمۃ بغداد کے ایک محلّہ میں جا رہے تھے کہ ایک مدعی کہہ رہا تھا۔

اَلسُّکُوْتُ خَیْرٌ مِّنَ الْکَلَامِ۔

’’خاموش رہنا بولنے سے اچھا ہے۔‘‘

حضرت شبلیؒ نے اسے ٹوکا اور فرمایا: تیرا خاموش رہنا بولنے سے اچھا ہے اور میرا بولنا خاموش رہنے سے بہتر ہے، کیونکہ تیرا بولنا لغو ہے اور تیری خاموشی ہزل (بیہودہ بات) ہے، جبکہ میرا کلام میرے سکوت سے یوں بہتر ہے کہ میرا سکوت حلم ہے اور میرا کلام علم ہے۔ اگر نہ کہوں تو حلیم ہوں اور اگر کہوں تو علیم ہوں۔‘‘(۱)

خاموشی کی فضیلت و اہمیت

خاموشی بہت بڑی نعمت کا پیش خیمہ ہے۔اس کے باعث اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو صحیح علم اور راہِ نجات کا شعور عطا فرماتا ہے۔اس سے درست قول وعمل کی توفیق نصیب ہوتی ہے۔اس کا مقصد دنیوی گفتگو سے پرہیز کرنا اور جو کلام اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل کر دے اس سے بچنا ہے۔خاموشی سے خیالات مجتمع رہتے ہیں، وقار بلند ہوتا ہے، ذکر و فکر اور عبادت کے لئے مواقع میسر آتے ہیں۔ دنیا میں زبان کی آفات سے اور آخرت میں اس کے حساب سے نجات ملتی ہے۔

۱۔ قرآن حکیم میں خاموشی کا بیان

درج ذیل آیات کریمہ سے خاموشی کی اہمیت واضح ہوتی ہے:

(۱) خاموشی نعمتِ خداوندی کا پیش خیمہ

خاموشی اختیار کرنا انعاماتِ خداوندی سے بہرہ ور ہونا ہے۔ اس بات پر خود

(۱) علی ہجویری، کشف المحجوب: ۵۱۴

قرآنِ حکیم شاہد ہے۔ اللہ ﷻ نے جب حضرت زکریا علیہ السلام کو بیٹے کی صورت میں بہت بڑی نعمت عطا کرنا چاہی تو انہیں خاموش رہنے کی تلقین فرمائی اور اس کے ساتھ صبح و شام تسبیح کرنے کا بھی حکم فرمایا، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قَالَ اٰيَتُکَ اَلَّا تُکَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ط وَاذْکُرْ رَّبَّکَ کَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْکَارِ ○[۱]

’’(اللہ تعالیٰ نے) فرمایا: تمہارے لئے نشانی یہ ہے کہ تم تین دن تک لوگوں سے سوائے اشارے کے بات نہیں کر سکو گے، اور اپنے رب کو کثرت سے یاد کرو اور شام اور صبح اس کی تسبیح کرتے رہو○‘‘

اسی طرح قرآن حکیم میں دوسرے مقام پر سورۂ مریم میں بھی خاموشی کا ذکر آیا ہے جس سے اس کی فضیلت و اہمیت واضح ہوتی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ط قَالَ اٰيَتُکَ اَلَّا تُکَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ○[۲]

’’(زکریا علیہ السلام نے) عرض کیا: اے میرے رب! میرے لئے کوئی نشانی مقرر فرما، ارشاد ہوا: تمہاری نشانی یہ ہے کہ تم بالکل تندرست ہوتے ہوئے بھی تین رات (دن) لوگوں سے کلام نہ کر سکو گے○‘‘

(۲) خاموشی اہلِ معرفت کا شیوہ

اہلِ معرفت کا شیوہ ہے کہ وہ اپنے کلام پر خاص نگران ہوتے ہیں، اگر تمام کلام حق ہو تو کہہ دیتے ہیں ورنہ خاموش رہتے ہیں کیونکہ انہیں معلوم ہے کہ ہماری ہر بات کو

(۱) آل عمران، ۳: ۴۱

(۲) مریم، ۱۹: ۱۰

اللہ تعالیٰ براہِ راست سن رہا ہے بلکہ وہ ہماری آپس کی پوشیدہ باتوں اور سرگوشیوں سے بھی واقف ہے اور فرشتے اس کا تحریری ریکارڈ رکھنے پر مامور ہیں، وہ انسان کے منہ سے نکلا ہوا ہر لفظ ضبطِ تحریر میں لاتے ہیں۔ جو لوگ اس حقیقت سے منہ پھیرتے ہیں قرآن ان کے متعلق فرماتا ہے:

اَمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰهُمْ ط بَلٰى وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُوْنَ ○(۱)

’’کیا وہ گمان کرتے ہیں کہ ہم ان کی پوشیدہ باتیں اور اُن کی سرگوشیاں نہیں سنتے کیوں نہیں (ضرور سنتے ہیں) اور ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے بھی اُن کے پاس لکھ رہے ہوتے ہیں○‘‘

(۳) خاموشی بارگاہِ نبوت کے آداب میں سے

کوئی بارگاہ ایسی بھی ہوتی ہے کہ جہاں خاموشی کلام سے ہزارہا درجہ بہتر ہوتی ہے۔ اس کی مثال بارگاہِ نبوت و رسالت ﷺ ہے کہ وہاں کثرتِ کلام انسان کی نیکیوں کی بربادی اور اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا سبب بنتی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کا شیوہ تھا کہ وہ آپ کی بارگاہ میں خاموش نہ رہتی اور ان سے طرح طرح کے سوالات کرتی رہتی۔ سورہ البقرہ میں مذکور گائے کا واقعہ اس کی ایک قابل ذکر مثال ہے۔ اللہ تعالیٰ نے امت محمدی ﷺ کو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا:

اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْئَلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ط وَ مَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ○(۲)

’’(اے مسلمانو!) کیا تم چاہتے ہو کہ تم بھی اپنے رسول (ﷺ) سے اسی طرح

(۱) الزخرف، ۴۳: ۸۰

(۲) البقرہ، ۲: ۱۰۸

سوالات کرو جیسا کہ اس سے پہلے موسیٰ (علیہ السلام) سے سوال کیے گئے تھے، تو جو کوئی ایمان کے بدلے کفر حاصل کرے پس وہ واقعۃً سیدھے راستے سے بھٹک گیاo''

اس آیتِ کریمہ میں بارگاہِ مصطفیٰ ﷺ کے آداب سکھائے گئے ہیں۔یہ فرمایا گیا ہے کہ آپ ﷺ سے قوم موسیٰ علیہ السلام کی طرح بے جا سوالات نہ کئے جائیں۔آپ ﷺ نورِ نبوت سے تمہارے مسائل کو تم سے بہتر جانتے ہیں۔وہ تمہارے سوال کئے بغیر ہی ان کے بارے میں تمہاری رہنمائی فرما دیں گے۔لہٰذا بارگاہِ رسالت میں ادب کے ساتھ خاموش بیٹھے رہو۔اسی میں تمہارے ایمان کی سلامتی ہے۔قرآن مجید نے سورۃ الحجرات کی ابتدائی آیات میں بھی بارگاہِ مصطفیٰ ﷺ کے آداب تفصیل سے بیان کئے ہیں۔قلتِ کلام اس بارگاہ کا اولیں ادب ہے۔بقول کسے:

ادب گا هیست زیر آسماں از عرش نازك تر
نفَس گم کرده می آید جنید بایزید ایں جا

(آسمان کے نیچے ایک بارگاہِ ادب عرش سے بھی زیادہ نازک ہے جہاں حضرت جنید علیہ الرحمۃ اور بایزید علیہ الرحمۃ جیسی ہستیاں بھی دم بخود حاضر ہوتی ہیں۔)

۲۔ احادیثِ نبوی ﷺ میں خاموشی کا بیان

احادیثِ مبارکہ کے مطالعہ سے واضح ہے کہ قوت گویائی جتنی بڑی نعمت ہے اتنی ہی بڑی خرابی کا پیش خیمہ بھی بن سکتی ہے۔اس لئے حضور نبی اکرم ﷺ نے یاوہ گوئی اور لایعنی گفتگو سے منع فرمایا ہے اور خاموشی و کم گوئی پر زور دیا ہے۔اس موضوع پر کثیر تعداد میں احادیث وارد ہوئی ہیں، جس سے اس کی اہمیت وفضیلت روزِ روشن کی طرح عیاں ہو تی ہے۔ہم یہاں درج ذیل چند احادیثِ مبارکہ سے اپنی بات واضح کریں گے:

(۱) مومن وہ ہے جو اچھی بات کہے یا خاموش رہے

۱۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَصْمُتْ۔ (۱)

''جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے کہ اچھی بات منہ سے نکالے یا خاموش رہے۔''

(۲) خاموشی سراسر حکمت

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَلصَّمْتُ حِكَمٌ وَ قَلِيْلٌ فَاعِلُهُ۔ (۲)

''خاموشی سراسر حکمتوں کا نام ہے مگر اسے اختیار کرنے والے بہت کم ہیں۔''

(۳) مفید کلام

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

كُلُّ كَلَامِ ابْنِ آدَمَ عَلَيْهِ لَا لَهُ إِلَّا أَمْرٌ بِمَعْرُوْفٍ أَوْ نَهْيٌ عَنْ مُنْكَرٍ أَوْ ذِكْرُ اللهِ۔ (۳)

''انسان کی ہر گفتگو میں اس کا نقصان ہے فائدہ نہیں سوائے اس گفتگو کے کہ جو

(۱) بخاری، الصحيح، كتاب الأدب، باب مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ، ۵: ۲۲۴۰، رقم: ۵۶۷۲

(۲) بیهقی، شعب الإيمان، ۴: ۲۶۴، رقم: ۵۰۲۷

(۳) ترمذی، الجامع الصّحيح، أبواب الزّهد، ماجاء في حفظ اللّسان، ۴: ۲۱۲، رقم: ۲۴۱۲

نیکی کا حکم دینے، برائی سے منع کرنے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر پر مشتمل ہو (اس کا فائدہ ہی فائدہ ہے)۔‘‘

(۴) زبان کے فتنوں سے حفاظت کی تلقین

حضرت عبد اللہ الثقفي رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہم پر کس بات کا زیادہ ڈر ہے؟

فَأَخَذَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بِلِسَانِ نَفْسِهِ، ثُمَّ قَالَ: هٰذَا. (۱)

’’حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زبان پکڑ کر فرمایا اس کا۔‘‘

(۵) تمام اعضا زبان سے کم گوئی کی درخواست

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ’’جب انسان صبح کرتا ہے تو اس کے تمام اعضا جھک کر زبان سے کہتے ہیں:

اِتَّقِ اللهَ فِينَا فَإِنَّمَا نَحْنُ بِکَ، فَإِنِ اسْتَقَمْتَ اسْتَقَمْنَا وَإِنِ اعْوَجَجْتَ اعْوَجَجْنَا۔ (۲)

’’ہمارے بارے میں اللہ سے ڈر کیونکہ ہم تجھ سے متعلق ہیں اگر تو سیدھی رہے گی ہم بھی سیدھے رہیں گے اور اگر تو ٹیڑھی ہوگی تو ہم بھی ٹیڑھے ہو جائیں گے۔‘‘

---

(۱) ابن ماجة، السنن، کتاب الفتن، باب کفِّ اللِّسَانِ فی الْفِتْنَةِ، ۴: ۳۸۲، رقم: ۳۹۷۲

(۲) ترمذی، الجامع الصّحیح، أبواب الزّهد، باب ماجاء في حفظ اللّسان، ۴: ۲۰۸، رقم: ۲۴۰۷

(٦) خاموشی ذریعہ نجات

گفتار کی مثال وہ شراب ہے جو عقل کو مست کر دیتی ہے اور جسے اس کی لت پڑ جائے وہ اسے چھوڑ نہیں سکتا مگر خاموشی کی مثال قیمتی سونے کی سی ہے، جو اسے اختیار کرنے میں کامیاب ہو گیا وہ نجات پا گیا۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ صَمَتَ نَجَا۔ (١)

''جو خاموش رہا وہ نجات پا گیا۔''

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے عرض کیا:

يَا رَسُوْلَ اللهِ، مَا النَّجَاةُ؟

''یا رسول اللہ! نجات کیا ہے؟''

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

أَمْسِکْ عَلَيْکَ لِسَانَکَ، وَلْيَسَعْکَ بَيْتُکَ، وَابْکِ عَلَی خَطِيْئَتِکَ۔ (٢)

''تم اپنی زبان کو (بری باتوں سے) روکے رکھو، چاہیے کہ تمہارا گھر تم پر کشادہ ہو جائے تو تُو اپنے گناہ پر رویا کر۔''

---

(١) ترمذی، الجامع الصحيح، أبواب صفة القيامة و الرقائق و الورع، باب ماجاء فی صفة أواني الحوض، ٤:٢٧٤، رقم: ٢٥٠١

(٢) ١۔ ترمذی، الجامع الصحيح، أبواب الزّهد، باب ماجاء في حِفْظِ اللِّسَّان، ٤:٢٠٨، رقم: ٢٤٠٦

(۷) زبان پر قابو رکھنے والے کو جنت کی ضمانت

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ يَضْمَنْ لِي مَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ وَمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ أَضْمَنْ لَهُ الْجَنَّةَ۔(۱)

''جو مجھے اس کی ضمانت دے جو دونوں جبڑوں کے درمیان ہے (یعنی زبان کی) اور اس کی جو دونوں ٹانگوں کے درمیان ہے (یعنی شرم گاہ کی) تو میں اسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔''

(۸) اعمال کے ترازو میں سب سے بھاری چیز

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے ابوذر! میں تجھے ایسی باتیں نہ بتاؤں جو نہایت سبک (کم وزن) اور ہلکی ہیں لیکن اعمال کے ترازو میں بہت بھاری ہیں؟ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: جی ہاں ضرور فرمائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

طُولُ الصَّمْتِ وَحُسْنُ الْخُلُقِ فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ مَا عَمِلَ الْخَلَائِقُ بِمِثْلِهِمَا۔(۲)

''طویل خاموشی اور خوش خلقی، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے ان دو خصلتوں سے بہتر مخلوق کے لئے کوئی کام نہیں ہے۔''

حضرت صفوان بن سلیم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

---

(۱) بخاری، الصحیح، کتاب الرقاق، باب حِفْظِ اللِّسَانِ، ۵:۲۳۷۶، رقم: ۶۱۰۹

(۲) بیہقی، شعب الإیمان، ۶:۲۳۹، ۸۰۰۶

أَلَا أُخبِرُکُمْ بِأَيْسَرِ الْعِبَادَةِ، وَأَهْوَنِهَا عَلَى الْبُدَنِ: الصَّمْتُ، وَحُسْنُ الْخُلُقِ۔[۱]

”کیا میں تمہیں ایسی عبادت نہ بتاؤں جو سب سے زیادہ آسان اور بدن پر زیادہ ہلکی پھلکی ہے؟ فرمایا: وہ خاموشی اور اچھے اخلاق ہیں۔

(۹) کثرتِ کلام، اللہ عزوجل سے دوری کا باعث

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

”اللہ تعالیٰ کے ذکر کے سوا زیادہ گفتگو نہ کرو کیونکہ ذکرِ الٰہی کے بغیر کثرتِ کلام دل کی سختی (کا باعث ہے) اور سخت دل آدمی اللہ تعالیٰ سے بہت دور رہتا ہے۔“[۲]

(۱۰) اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ عمل

حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

أَيُّ الأَعْمَالِ أَحَبُّ إِلَى اللهِ؟

”اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ عمل کون سا ہے؟“

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خاموش ہوگئے کسی نے جواب نہ دیا پھر آپ ﷺ نے خود ہی جواب دیا:

www.MinhajBooks.com

(۱) منذری، الترغیب والترھیب، ۳: ۴۰۴، رقم: ۱۰

(۲) ترمذی، الجامع الصحیح، أبواب الزھد، باب ماجاء في حِفْظ لِلّسان، ۴: ۲۱۱، رقم: ۲۴۱۱

هُوَ حِفْظُ اللِّسَانِ۔(۱)

''وہ زبان کی حفاظت کرنا ہے۔''

اس حدیث مبارکہ میں صحابہ کرام کی خاموشی سے یہ نکتہ بھی اخذ ہوتا ہے کہ کسی عظیم المرتبت بارگاہ میں خاموش رہنا ادب کا عین تقاضا ہے۔ صحابہ کرام کا معمول تھا کہ وہ بارگاہِ مصطفیٰ ﷺ میں یوں بیٹھتے تھے کہ گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں۔

(۱۱) ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر عبادت

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

مَقَامُ الرَّجُلِ لِلصَّمْتِ أَفْضَلُ مِنْ عِبَادَةِ سِتِّينَ سَنَةً۔(۲)

''مرد کا خاموش رہنا (اور خاموشی پر ثابت قدم رہنا) ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے۔''

(۱۲) افضل ترین عبادت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

اَلصَّمْتُ أَرْفَعُ الْعِبَادَةِ۔(۳)

''خاموشی سب سے اونچی عبادت ہے۔''

مذکورہ بالا احادیثِ مبارکہ سے یہ بات واضح ہے کہ انسان کو اپنی زبان کی حفاظت کرنی چاہئے اور یہ خاموشی اور کم گوئی کے بغیر ممکن نہیں۔ جو لوگ اپنی زبان کو بیہودہ گوئی اور لغو گوئی سے محفوظ اور ذکرِ الٰہی میں مشغول رکھتے ہیں انہیں جنت کی ضمانت دی گئی ہے۔

---

(۱) بیہقی، شعب الإیمان، ۴: ۲۴۵، رقم: ۴۹۵۰

(۲) بیہقی، شعب الإیمان، ۴: ۲۴۵، رقم: ۴۹۵۳

(۳) دیلمی، الفردوس بمأثور الخطاب، ۲: ۴۱۷، رقم: ۳۸۴۹

۳۔ خاموشی میں صوفیاء و اَولیاء عظام کے اقوال

اب ہم صوفیاء کرام اور اولیاء عظام کے احوال کا جائزہ لیتے ہیں کہ انہوں نے اپنی زندگی میں خاموشی کی عادت کیسے ڈالی؟

(۱) ہر کلمہ لغو پر ملامت

شیخ ابو طالب مکی علیہ الرحمۃ (م ۳۸۶ ھ) اپنی کتاب ''قوت القلوب'' میں لکھتے ہیں:

''جو کلمہ بھی مزاح یا لغو زبان سے نکلے اس کی وجہ سے بندے کو پانچ طرح زجر وملامت کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ اسے کہا جاتا ہے کہ:

۱۔ تو نے یہ کلمہ کیوں کہا؟ کیا یہ بات تیری ضرورت کی تھی؟

۲۔ جب تو نے یہ کلمہ کہا تو کیا تجھے اس سے نفع ہوا؟

۳۔ اگر تو یہ کلمہ نہ کہتا تو کیا تجھے کچھ نقصان ہوتا؟

۴۔ تو خاموش کیوں نہ رہا تاکہ اس کے انجام سے بچ جاتا۔

۵۔ تو نے اس کی جگہ یہ الفاظ کیوں نہ کہے:

سُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ تاکہ خوب ثواب لیتا۔

ہر کلمہ کے لیے تین دفتر کھولے جاتے ہیں:

۱۔ کیوں؟ ۲۔ کیونکر؟ ۳۔ کس کے لیے؟

اگر تینوں سے نجات مل گئی تو ٹھیک ورنہ حساب کے لیے طویل قیام موجود ہے۔''(۱)

---

(۱) أبو طالب مكي، قوت القلوب، ۱: ۱۹۹۰

(۲) خاموشی اختیار کرنے کا منفرد طریقہ

بعض سلفِ صالحین خاموشی کی عادت ڈالنے کے لئے اپنے منہ میں کنکریاں رکھتے تھے تاکہ کلام کرتے وقت زبان میں رکاوٹ ہو اور وہ خاموش رہیں۔ شیخ ابو طالب مکیؒ ایک بزرگ کا قول نقل کرتے ہیں:

’’میں نے فضول گوئی کے ہر کلمہ پر اپنے آپ کو دو رکعت پڑھنے کا پابند بنا لیا اور یہ کام مجھ پر آسان رہا پھر میں نے بے معنی اور فضول بات پر اپنے آپ کو روزہ کا پابند کیا تو یہ بھی مجھ پر آسان رہا۔ آخر کار میں نے ہر بے مقصد اور فضول کلام پر ایک درہم صدقہ کی پابندی لگائی تو یہ کام مجھے مشکل نظر آیا اور میں فضول کلام سے رک گیا۔‘‘(۱)

زبان کی آفتیں اور ان سے بچاؤ کی تدابیر

خاموشی اور کلام میں زبان اہم کردار ادا کرتی ہے۔ جس کی زبان درست ہو اس کے سارے اعمال اصلاح یافتہ ہو جائیں گے اور جس کی زبان میں خرابی ہو اس کے سارے اعمال میں خرابی ظاہر ہوگی۔ بعض بزرگ صالحین سے مروی ہے:

’’جیسے تم کلام سیکھتے ہو اسی طرح خاموشی سیکھو، کیونکہ اگر کلام تمہیں ہدایت دیتا ہے تو سکوت تمہیں بچاتا ہے اور خاموشی میں تیرے لئے دو خصلتیں ہیں:

۱۔ جو تم سے زیادہ جاہل ہے تم اس کو جہالت سے باز رکھ سکو گے۔

۲۔ جو تجھ سے زیادہ عالم ہے اس سے سیکھ سکو گے۔(۲)

زبان کا کام دل و دماغ کے خیالات، جذبات اور خواہشات کا اظہار اور کوئی سا

---

(۱) أبو طالب مكي، قوت القلوب، ۱: ۱۹۶

(۲) غزالي، إحياء علوم الدين، ۳: ۱۱۱

بھی علم ہو خواہ وہ حق ہے یا باطل اسے بیان کرنا ہے اور یہ خاصیت جسم کے دوسرے اعضاء کو حاصل نہیں ہے کیونکہ آنکھ کی رسائی صرف رنگوں اور صورتوں تک ہے، جبکہ زبان کا میدان وسیع ہے، اس کی کوئی انتہا اور حد نہیں، اگر نیکی میں اس کا میدان وسیع ہے تو برائی میں بھی لامحدود ہے، جو شخص اپنی زبان کو کھلی چھٹی دیتا ہے شیطان اسے ہلاکت کے کنارے پر لے جاتا ہے۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

وَهَلْ يَكُبُّ النَّاسَ فِي النَّارِ عَلى وُجُوهِهِمْ أَوْ عَلَى مَنَاخِرِهِمْ إِلَّا حَصَائِدُ أَلسِنَتِهِمْ۔(۱)

”انسان کو اوندھے منہ دوزخ میں گرانے والی چیز اس سے اپنی زبان سے کاٹی ہوئی کھیتی ہے۔“

حضرت طاؤس علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

”میری زبان ایک درندہ ہے اگر میں اسے کھلا چھوڑوں تو وہ مجھے کھا لے۔“(۲)

لہٰذا وہی شخص زبان کے شر سے محفوظ رہ سکتا ہے جو اسے شریعت کی لگام کے تابع رکھے، اور اسی بات کے لئے استعمال کرے جو اسے دنیا و آخرت میں نفع دے، اور اس بات سے روکے جس سے گمراہی کا خطرہ ہو۔ کیونکہ انسان کے اعضاء میں سب سے زیادہ نافرمان اور شیطان کا سب سے بڑا ہتھیار زبان ہے۔ اسے حرکت دینے اور بولنے میں کچھ بھی تکلیف نہیں ہوتی۔ جو لوگ اس کی آفات اور گمراہی سے بچنے میں سستی کرتے ہیں وہ اس کے وبال سے نہیں بچ سکتے۔ زبان کی آفات بیشمار ہیں مثلاً خطا، جھوٹ، غیبت،

(۱) ترمذی، الجامع الصحیح، أبواب الإیمان، باب ماجاء في حُرُمَةِ الصَّلاةِ، ۴: ۳۶۳-۳۶۲، رقم: ۲۶۱۶

(۲) غزالی، إحیاء علوم الدین، ۳: ۱۱۱

چغلی، ریاکاری، منافقت، فحش کلامی، جھگڑا اور خودسرائی وغیرہ۔ ان میں زیادہ تر آفات وہ ہیں جن کا تعلق براہِ راست زبان سے ہے۔ امام غزالی علیہ الرحمۃ نے ’’إحیاء علوم الدین‘‘ میں زبان کی بیس آفات بیان کی ہیں۔ ان میں سے سترہ مع حذف و اضافہ درج ذیل ہیں:

۱۔ بے مقصد گفتگو اور فضول کلام

ایسی گفتگو جس کی حاجت ہو اور نہ ہی اس سے کسی کو فائدہ حاصل ہو بے مقصد گفتگو کہلاتی ہے۔ جبکہ وہ کلام جو فائدہ مند تو ہو لیکن بلا ضرورت ہو فضول کلام کہلاتا ہے مثلاً اگر کسی شخص کو اپنا ماضی الضمیر بیان کرنا ہو تو وہ مختصر گفتگو کے ذریعے بھی ایسا کرسکتا ہے طویل گفتگو بے مقصد اور فضول کلام سراسر وقت کا ضیاع ہے، وقت انسان کا قیمتی سرمایہ ہے اور جب وہ اسے بے مقصد کام پر لگاتا ہے تو وہ نہ صرف اپنا مال ضائع کرتا ہے بلکہ آخرت کے اجر وثواب سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس جو شخص فضول گوئی سے بچتا ہے اس کے بارے میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيهِ۔(۱)

’’کسی شخص کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ جو بات کام کی نہ ہو اسے چھوڑ دے۔‘‘

امام غزالی علیہ الرحمۃ نے درج ذیل سلف صالحین کے اقوال نقل کیے ہیں۔

۱۔ حضرت لقمان حکیم علیہ الرحمۃ سے پوچھا گیا کہ آپ کی حکمت کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا: جس بات کا علم ہو جائے وہ نہیں پوچھتا اور بے مقصد بات نہیں کرتا۔

(۱) ۱۔ ابن ماجة، السنن، كتاب الفتن، باب كفّ اللّسان في الفتنة، ۴: ۳۸۴، رقم: ۳۹۷۶

۲۔ بيهقي، شعب الإيمان، ۴: ۲۵۴۔ ۲۵۵، رقم: ۴۹۸۶

۲۔ حضرت مورق عجلی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: میں بیس سال سے ایک چیز کے پیچھے لگا ہوا ہوں، ابھی تک وہ مجھے حاصل نہیں ہوئی اور نہ ہی میں نے اس کی طلب چھوڑی ہے۔ انہوں نے پوچھا وہ کیا ہے؟ فرمایا: بے مقصد باتوں سے خاموشی اختیار کرنا۔

۳۔ حضرت ابراہیم تیمی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ''جب مومن بات کرنا چاہتا ہے تو دیکھتا ہے کہ اگر فائدہ ہو تو بات کرتا ہے ورنہ خاموش رہتا ہے اور فاجر کی زبان خوب چلتی ہے وہ جو منہ میں آتا ہے کہہ دیتا ہے انہوں نے یہ بھی فرمایا: دو چیزیں آدمی کو ہلاک کرتی ہیں زائد مال اور فضول کلام۔''

۴۔ حضرت حسن علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ''جس شخص کی گفتگو زیادہ ہو اس کا جھوٹ بھی زیادہ ہوتا ہے۔''

۵۔ حضرت عطا بن ابی رباح علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ''تم سے پہلے لوگ فضول کلام کو ناپسند کرتے تھے اور وہ اس کلام کو فضول سمجھتے تھے جو قرآن حکیم، سنتِ رسول اللہ ﷺ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے علاوہ ہو یا وہ معاشی ضروریات سے متعلق نہ ہو۔ کیا تم اس بات کا انکار کرتے ہو کہ تم پر حفاظت کرنے والے فرشتے کراماً کاتبین جو دائیں بائیں کاندھے پر موجود ہیں اور انسان جو گفتگو کرتا ہے اس کے پاس ایک نگران تیار بیٹھا ہے۔''(۱)

جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌo(۲)

''وہ مُنہ سے کوئی بات نہیں کہنے پاتا مگر اس کے پاس ایک نگہبان (لکھنے کے لئے) تیار رہتا ہےo''

(۱) غزالی، إحياء علوم الدين، ۳: ۱۱۳۔۱۱۴

(۲) ق، ۵۰: ۱۸

حضرت مجاہد علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ”گفتگو لکھی جاتی ہے حتیٰ کہ ایک شخص اپنے بیٹے کو محض خاموش کرانے کے لئے کہتا ہے میں تمہارے لئے فلاں فلاں چیز خریدوں گا تو وہ جھوٹا لکھا جاتا ہے۔“(۱)

لہٰذا ایسی باتوں سے گریز کرنا چاہیے جو وقت کا ضیاع ہو اور جس کا کوئی حاصل نہ ہو۔

۲۔ باطل امور میں مشغولیت

بے فائدہ گفتگو کی بھرمار، خلافِ شرع ممنوع باتوں میں مشغولیت، بدعات اور مذاہبِ فاسدہ کا ذکر مثلاً عورتوں کے حالات، شراب کی مجالس، بدکاری کی مجالس، لوگوں کی عیاشی، مذموم رسموں اور ناپسندیدہ حالات کا ذکر کرنا یہ تمام امور باطل میں شامل ہیں اکثر لوگ غم غلط کرنے کے لئے گفتگو کرتے ہیں لیکن انکی گفتگو باطل سے متجاوز نہیں ہوتی۔ باطل کی اقسام بے شمار ہیں۔ ان سے بچنے کی صورت صرف یہ ہے کہ دین اور دنیا کے حوالے سے ضروری گفتگو پر ہی اکتفاء کیا جائے۔ حضرت عمران بن حطان علیہ الرحمۃ روایت کرتے ہیں:

”میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اس حال میں کہ وہ مسجد میں سیاہ چادر لپیٹے تنہا بیٹھے تھے۔ میں نے کہا: اے ابوذر! یہ تنہائی کیسی ہے؟ تو انہوں نے فرمایا: میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے

اَلْوَحْدَةُ خَيْرٌ مِّنْ جَلِيْسِ السُّوْءِ وَ الْجَلِيْسُ الصَّالِحُ خَيْرٌ مِّنَ الْوَحْدَةِ وَ إِمْلَاءُ الْخَيْرِ خَيْرٌ مِّنَ السُّكُوْتِ وَالسُّكُوْتُ خَيْرٌ مِّنَ إِمْلَاءِ الشَّرِّ۔(۲)

(۱) غزالی، إحياء علوم الدين، ۳: ۱۱۳-۱۱۵

(۲) حاکم، المستدرك، ۳: ۳۸۷، رقم: ۵۴۶۶

''تنہائی برے ہمنشین سے بہتر ہے اور صالح ہمنشین تنہائی سے بہتر ہے۔ بھلائی کا سکھانا خاموشی سے بہتر ہے اور برائی کی تعلیم سے خاموشی بہتر ہے۔''

حضرت سفیان بن عیینہ علیہ الرحمۃ کسی اہلِ معرفت کا قول بیان کرتے ہیں:

اَلصَّمۡتُ زَیۡنٌ لِلۡعَالِمِ وَسِتۡرٌ لِلۡجَاهِلِ۔(۱)

''خاموشی عالم کے لئے زینت ہے اور جاہل کے لئے پردہ ہے۔''

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَنۡ تَرَکَ الۡکَذِبَ وَ هُوَ بَاطِلٌ بُنِيَ لَهُ فِي رَبَضِ الۡجَنَّةِ، وَمَنۡ تَرَکَ الۡمِرَاءَ وَهُوَ مُحِقٌّ بُنِيَ لَهُ فِي وَسَطِهَا، وَمَن حَسَّنَ خُلُقَهُ بُنِيَ لَهُ فِي أَعۡلَاهَا۔(۲)

''جس نے جھوٹ، جو کہ باطل ہے (جھگڑا کے وقت) چھوڑ دیا اس کے لئے بہشت کے کنارے پر مکان بنایا جائے گا اور جو حق پر ہوتے ہوئے جھگڑا ترک کر دے اس کے لئے جنت کے درمیان مکان بنایا جائے گا اور جو اپنے اخلاق کو سنوار لے اس کے لئے جنت کے بلند ترین جگہ پر محل تعمیر کیا جائے گا۔''

۳۔ خصومت (جھگڑا کرنا)

دوسروں کے کلام پر طعن و تشنیع کرنا ان کے کام پر اعتراض کرنا، ارادے میں خلل ڈالنا، دوسروں کی تحقیر اور اپنی فضیلت ظاہر کرنا اور اپنے کلام پر ڈٹ جانا خصومت کہلاتا ہے۔ ایک متفق علیہ حدیثِ مبارکہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

(۱) بیہقی، شعب الإیمان، ۴: ۲۶۹، رقم: ۵۰۵۵

(۲) ترمذی، الجامع الصحیح، أبواب البر و الصلة، باب ماجاء في المِرَاءِ، ۳: ۵۳۰، رقم: ۱۹۹۳

إِنَّ أَبْغَضَ الرِّجَالِ إِلَى اللهِ الْأَلَدُّ الْخَصِمُ۔[(۱)]

’’اللہ تعالیٰ کو سب سے ناپسند وہ شخص ہے جو بہت جھگڑالو ہو۔‘‘

امام غزالی علیہ الرحمۃ (۴۵۰۔ ۵۰۵ھ) ’’إحیاء علوم الدین‘‘ میں نقل کرتے ہیں:

حضرت ابن قتیبہ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ’’حضرت بشر بن عبد اللہ بن ابی بکرہ میرے پاس سے گزرے تو فرمایا: آپ یہاں کیوں بیٹھے ہیں؟ میں نے جواب دیا: میرے اور میرے چچا زاد بھائی کے درمیان کچھ جھگڑا ہے۔ انہوں نے فرمایا: تمہارے باپ کا مجھ پر کچھ احسان ہے میں اس کا بدلہ چکانا چاہتا ہوں، میں نے خصومت سے بڑھ کر کوئی چیز دین کو ختم کرنے والی، مروت کو نقصان پہنچانے والی، لذت کو ضائع کرنے والی اور دل کو پھیرنے والی نہیں دیکھی۔ ابن قتیبہؒ فرماتے ہیں میں اٹھ کر جانے لگا تو میرے مخالف نے کہا تمہیں کیا ہوا ہے؟ میں نے کہا میں تجھ سے جھگڑا نہیں کرتا۔ اس نے کہا، اس لئے تم سمجھ گئے ہو کہ میں حق پر ہوں۔ میں نے کہا، نہیں لیکن میں اپنے نفس کو اس سے بچانا چاہتا ہوں۔‘‘[(۲)]

یہ مذمت اس جھگڑالو شخص کی ہے جو بغیر علم کے جھگڑتا ہے جیسے قاضی کا وکیل اس بات کو جاننے سے پہلے کہ حق کس طرف ہے محض جھگڑے کی وکالت کرتا ہے، خصومت یعنی جھگڑے کی صورت میں کم از کم نقصان اچھے کلام کا فوت ہونا، ثواب سے محروم ہونا، دل کو اذیت پہنچانا، آرام و سکون کو برباد کرنا، غصے کو ابھارنا اور دل میں رنج پیدا کرنا ہے۔

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب المظالم، باب قول اللہ تعالیٰ و ھو اَلَدُّ الخِصَام، ۲: ۸۶۷، رقم: ۲۳۲۵

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب العلم، باب فی الألدّ الخصم، ۴: ۲۰۵۴، رقم: ۲۶۶۸

(۲) غزالی، إحیاء علوم الدّین، ۳: ۱۱۹

لہٰذا اس کا دروازہ ضرورت کے بغیر نہ کھولا جائے اور ضرورت کے وقت بھی زبان اور دل کی حفاظت کرنا مناسب ہے۔ حضرت ابو امامہ باھلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

تَکْفِیْرُ کُلِّ لِحَاءٍ رَکْعَتَانِ۔ (۱)

’’ہر بحث کرنے والے کا کفارہ دو رکعتیں ہیں۔‘‘

زبان کی یہ آفت انسان کو ہلاک کرنے والی ہے اور اس کا علاج یہ ہے کہ انسان دل سے تکبر کلیتًا ختم کر دے، دوسروں پر اپنی فضیلت ظاہر کرنا، دوسروں کو کمتر سمجھنا اور ایسی عادت کا بھی خاتمہ کر دے جو دوسروں کی عیب جوئی کا باعث بنے، کیونکہ ہر بیماری کا علاج اس کے سبب کو دور کرنے سے ہوتا ہے۔

۴۔ پُر تکلف کلام کرنا

منہ کھول کر بے تکلف مسجّع و مرصّع اور فصاحت سے بھرپور کلام کرنا اور اس میں مبالغہ آرائی و تصنع کے لئے مقدمات اور تمہیدات شامل کرنا جیسا کہ عام خود ساختہ فصاحت کے دعویدار اور خطابت کے مدعی لوگوں کی عادت ہے۔ یہ تمام باتیں مذموم تصنع سے تعلق رکھتی ہیں اور یہ ایسا تکلف ہے جو غضب کو دعوت دیتا ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میرے نزدیک تم میں سب سے زیادہ قابلِ نفرت اور قیامت کے دن مجھ سے سب سے زیادہ دور ہونے والے وہ لوگ ہیں جو بہت بولنے والے، لوگوں سے زبان درازی کرنے والے اور تکبر کرنے والے ہیں۔‘‘ (۲)

www.MinhajBooks.com

(۱) طبرانی، المعجم الکبیر، ۸: ۱۴۹، رقم: ۷۶۵۱

(۲) ترمذی، الجامع الصحیح، أبواب البر و الصلة، باب ماجاء فی معالي الأخلاق، ۳: ۵۴۵، رقم: ۲۰۱۸

حضرت عمرو بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے اپنے والد سے سنا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

سَيَكُوْنُ قَوْمٌ يَأكُلُوْنَ أَلْسِنَتَهُمْ كَمَا يَأكُلُ الْبَقَرُ مِنَ الْأَرْضِ۔(۱)

”عنقریب ایک ایسی قوم آئے گی جو اپنے کلام کو ایسے چبائے گی جس طرح گائے زمین سے گھاس کو چباتی ہے۔“

۵۔ بدکلامی اور گالی گلوچ

اس سے مراد ایسی بات ظاہر کرنا ہے جس کے بیان سے انسان شرم و ندامت محسوس کرتا ہے۔ بدکلامی اور گالی گلوچ کی بنیاد باطنی اور ظاہری کمینگی ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کچھ یہودی آئے، انہوں نے کہا:

اَلسَّامُ عَلَيْکَ يَا أَبَا الْقَاسِمِ!

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

وَ عَلَيْکُمْ

اور تم پر بھی۔“

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: بلکہ تم پر سام اور ذام (موت اور ذلت) ہو۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

يَا عَائِشَةُ! لَا تَکُوْنِي فَاحِشَةً۔

”اے عائشہ! بدزبان مت بنو۔“

(۱) بیہقی، شعب الإیمان، ۴: ۲۵۲، رقم: ۴۹۷۶

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: آپ ﷺ نے نہیں سنا، انہوں نے کیا کہا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا میں نے ان کے قول کو ان کی طرف واپس نہیں کیا؟ میں نے کہا: ''وَعلیکم۔''(۱)

ایک روایت میں حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

اَلْجَنَّةُ حَرَامٌ عَلَى كُلِّ فَاحِشٍ أَنْ يَّدْخُلَهَا۔(۲)

''ہر فحش کلام کرنے والے پر جنت کا داخلہ حرام ہے۔''

حضرت ابراہیم بن میسرہ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ''قیامت کے دن فحش کلام اور بیہودہ بکنے والے کو کتے کی صورت میں یا کتے کے پیٹ میں لایا جائے گا۔''(۳)

فحش کلامی کا سبب مخاطب کو ایذا پہنچانا ہوتا ہے۔ یہ بدکلامی اور گالی گلوچ فاسق لوگوں کی عادت بن جاتی ہے۔ لہٰذا ان لوگوں کی صحبت سے بچنا چاہیے۔

۶۔ لعنت بھیجنا

حیوانات جمادات اور انسان سمیت کسی پر بھی لعنت بھیجنا قابلِ مذمت ہے۔

حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ الْمُؤمِنَ لَيْسَ بِاللَّعَّانِ۔(۴)

''مومن لعنت کرنے والا نہیں ہوتا۔''

---

(۱) مسلم، الصحيح، كتاب السلام، باب النهي عن ابتداء أهل الكتاب بالسلام، ۴: ۱۷۰۶۔۱۷۰۷، رقم: ۲۱۶۵

(۲) ديلمي، الفردوس بمأثور الخطاب، ۲: ۱۸۶، رقم: ۲۴۲۸

(۳) غزالي، إحياء علوم الدين، ۳: ۱۲۲

(۴) أحمد بن حنبل، المسند، ۱: ۴۱۶، رقم: ۳۹۴۸

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے غلام پر لعنت بھیجی تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

يَا أَبَا بَكْرٍ! اللَّعَّانُوْنَ وَ الصِّدِّيْقُوْنَ كَلَّا وَرَبِّ الْكَعْبَةِ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا۔[1]

''اے ابو بکر! کیا صدیق اور لعنت کرنے والے بھی، رب کعبہ کی قسم (ایسا) ہرگز نہیں (ہوسکتا) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ کلمات دو، تین مرتبہ دہرائے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اُسی دن اپنا غلام آزاد کر دیا اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا'' لا أعود ''میں دوبارہ یہ کلمات نہیں کہوں گا۔''

لعنت کا معنی اللہ تعالیٰ سے دوری ہے اور یہ صرف اس پر بھیجنی جائز ہے جس پر لعنت بھیجنا شریعت نے جائز قرار دیا ہو جیسے فرعون پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو، ابو جہل پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو کیونکہ ان لوگوں کا بحالتِ کفر مرنا شرعی طور پر ثابت ہے لیکن ہمارے زمانے میں کسی معین شخص پر لعنت بھیجنا مثلاً یہ کہ فلاں پر لعنت ہو کیونکہ وہ کافر ہے یا بدعتی ہے جائز نہیں کیونکہ ہوسکتا ہے کہ وہ موت سے قبل اسلام قبول کر لے اور اسے اللہ کا قرب حاصل ہو جائے، لہٰذا اس کے ملعون ہونے کا فیصلہ کیسے کیا جاسکتا ہے؟

۷۔ لغو شعر گوئی

شعر کا مقصد تعریف، مذمت اور عورتوں کا ذکر ہوتا ہے اور بعض اوقات اس میں جھوٹ اور مبالغہ داخل ہو جاتا ہے اس لئے بعض بزرگ اشعار کہنا ناپسند فرماتے ہیں لیکن اگر کلام اچھا ہو تو اشعار کو ترنم سے پڑھنا جائز ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام تلاوت زبور کے وقت خوش آوازی کا مظاہرہ کرتے حتی کہ انسان، جن، جنگلی جانور اور پرندے آپ علیہ السلام

(۱) بخاري، الأدب المفرد، ۱: ۸۸۔ ۸۹، رقم: ۳۱۹

کی آواز سننے کے لئے جمع ہو جاتے اور آپ کی مجلس سے مختلف اوقات میں چار سو جنازے اٹھائے جاتے۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ مِنَ الشِّعْرِ لَحِكْمَةً۔ (۱)

''بے شک بعض حکمت پر مبنی ہوتے ہیں۔''

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے لئے یہ فرماتے ہوئے سنا ہے۔

اهْجُهُمْ. أَوْهَاجِهِمْ. وَجِبرِيْلُ مَعَکَ۔ (۲)

''ان (کافروں) کی ہجو کرو اور جبرائیل بھی تمہارے ساتھ ہیں۔''

مذکورہ بالا احادیث کی رو سے معلوم ہوا کہ نعت گوئی پڑھنا، برائی اور فحاشی سے پاک کلام پڑھنا باعثِ اجر وثواب اور خیر و برکت ہے۔ لیکن اگر کلام بُرا ہو تو شعر گوئی اور گانا دونوں مذموم ہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لَأَنْ يَمْتَلِئَ جَوْفُ أَحَدِكُمْ قَيْحًا خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَنْ يَمْتَلِئَ شِعْرًا۔ (۳)

---

(۱) ابن ماجة، السنن، کتاب الأدب، باب الشعر، ۴: ۲۶۲، رقم: ۳۷۵۵

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب بَدء الخلق، باب ذِکْر الملائِکَةِ، ۳: ۱۱۷۶، رقم: ۳۰۴۱

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب فضائل الصحابة، باب فضائل حسان بن ثابت، ۴: ۱۹۳۳، رقم: ۲۴۸۶

(۳) بخاری، الصحیح، کتاب الأدب، باب مایکره أن یکون الغالب علی الإنسان الشعر، ۵: ۲۲۷۹، رقم: ۵۸۰۲

''کسی آدمی کے پیٹ کا پیپ سے بھر جانا جو اسے خراب کرتی ہے اس سے بہتر ہے کہ وہ اشعار سے بھرا ہوا ہو۔''

شعر پڑھنا اور کہنا فی نفسہٖ حرام نہیں ہے بشرطیکہ کلام قرآن وسنت کے منافی نہ ہو۔

۸۔ کثرتِ طنز و مزاح

مزاح اپنی اصل کے اعتبار سے مذموم ہے، البتہ تھوڑا سا ہو تو مستثنٰی ہے، مزاح کو وطیرہ بنا لینے میں خرابی ہے اور کثرتِ مزاح سے زیادہ ہنسی پیدا ہوتی ہے اور زیادہ ہنسنے سے دل مردہ ہو جاتا ہے جس سے دل میں بغض پیدا ہو جاتا ہے نیز اس کی وجہ سے ہیبت اور وقار ختم ہو جاتا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

يَا أُمَّةَ مُحَمَّدٍ، وَ اللهِ لَوْ تَعْلَمُونَ مَا أَعْلَمُ لَبَكَيْتُمْ كَثِيْرًا وَ لَضَحِكْتُمْ قَلِيْلًا۔ (۱)

''اے امتِ محمدیہ! اگر تم جان لیتے جو میں جانتا ہوں تو ضرور تم بہت زیادہ روتے اور ضرور تم بہت کم ہنستے۔''

گویا جس مزاح اور طنز گوئی سے خرابیاں پیدا نہ ہوں، وہ قابل مذمت نہیں، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ سے پوچھا گیا یا رسول اللہ!

إِنَّکَ تُدَاعِبُنَا؟

''آپ ﷺ ہم سے مزاح فرماتے ہیں؟''

(۱) بخاری، الصحیح، کتاب الإیمان و النذور، باب کیف کانت یمین النبی ﷺ، ۶: ۲۴۴۵، رقم: ۶۲۵۶

آپ ﷺ نے فرمایا:

إِنِّي لَا أَقُولُ إِلَّا حَقًّا۔[(۱)]

''بے شک میں حق بات کے سوا کچھ نہیں کہتا۔''

حضرت حسن بصری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ ایک بوڑھی عورت حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''کوئی بوڑھی عورت جنت میں نہیں جائے گی، وہ رونے لگی تو آپ ﷺ نے فرمایا تم اس دن بوڑھی نہ ہوگی۔''[(۲)]

حضور نبی اکرم ﷺ کا عورتوں اور بچوں کے ساتھ اس طرح خوش طبعی فرمانا کثرت سے منقول ہے۔ آپ ﷺ مذاق نہیں فرماتے تھے بلکہ ان کے کمزور دلوں کے علاج کے لئے ایسا کرتے تھے۔ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں آیا آپ ﷺ کے پاس روٹی اور کھجوریں رکھی ہوئی تھیں آپ ﷺ نے فرمایا: ''آؤ اور کھاؤ میں نے کھجور کھانا شروع کی آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

تأكُلُ تَمْرًا وَبِكَ رَمَدٌ

''تم کھجوریں کھاتے ہو حالانکہ تمہاری آنکھیں دکھتی آ رہی ہیں۔''

میں نے عرض کیا:

إِنِّى أَمْضُغُ مِنْ نَاحِيَةٍ أُخْرَى، فَتَبَسَّمَ رَسُولُ اللهِ ﷺ۔[(۳)]

(۱) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۳۶۰، رقم: ۸۷۰۸

۲۔ بیهقی، شعب الإيمان، ۴: ۳۱۶، رقم: ۵۲۳۸

(۲) غزالی، إحياء علوم الدين، ۳: ۱۲۹

(۳) ۱۔ ابن ماجة، السنن، كتاب الطب، باب الحمية، ۴: ۹۸، رقم: ۳۴۴۳

۲۔ حاكم، المستدرك، ۳: ۴۵۱، قم: ۵۷۰۳

”(یا رسول اللہ!) میں اس طرف سے نہیں کھاتا جس طرف سے آنکھ دکھتی آرہی ہے حضور نبی اکرم ﷺ تبسم فرمانے لگے۔“

لہٰذا اس قسم کی خوش مزاجی اور مزاح کبھی کبھار جائز ہے، ہمیشہ نہ ہو ورنہ مذموم کی حد کو پہنچ جائے گی اور ہنسی کا باعث ہونے کی وجہ سے دل کو مردہ کردے گی۔

۹۔ تمسخر (مذاق اڑانا)

تمسخر کا مطلب دوسرے آدمی کی توہین کرنا، اسے حقیر جاننا اور اس کے عیوب و نقائص کو اس طرح ظاہر کرنا کہ اس کا مذاق اڑایا جائے۔ ایسے لوگ قیامت کے دن خوفزدہ ہونگے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰهَا ج وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ط وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ○(۱)

”اور (ہر ایک کے سامنے) اعمال نامہ رکھ دیا جائے گا سو آپ مجرموں کو دیکھیں گے (وہ) ان (گناہوں اور جرموں) سے خوفزدہ ہوں گے جو اس (اعمال نامہ) میں درج ہوں گے اور کہیں گے: ہائے ہلاکت! اس اعمال نامہ کو کیا ہوا ہے اس نے نہ کوئی چھوٹی (بات) چھوڑی ہے اور نہ کوئی بڑی (بات)، مگر اس نے (ہر ہر بات کو) شمار کر لیا ہے اور وہ جو کچھ کرتے رہے تھے (اپنے سامنے) حاضر پائیں گے، اور آپ کا رب کسی پر ظلم نہ فرمائے گا○“

حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”مذاق اڑانے والے کے لئے جنت کا ایک دروازہ کھولا جائے گا اور کہا جائے

(۱) الکہف، ۱۸: ۴۹

گا آ ؤ، آ ؤ! وہ غم اور تکلیف کی حالت میں آئے گا تو دروازہ بند کر دیا جائے گا پھر دوسرا دروازہ کھولا جائے گا اور کہا جائے گا آ ؤ، آ ؤ! وہ غم اور تکلیف کے ساتھ آئے گا، جب وہاں پہنچے گا تو اس پر وہ دروازہ بھی بند کر دیا جائے گا، مسلسل اسی طرح ہوتا رہے گا حتی کہ اس کے لئے دروازہ کھولا جائے گا اور کہا جائے گا آ ؤ، آ ؤ پس وہ مایوسی کی وجہ سے نہیں آئے گا۔‘‘(۱)

اس حدیثِ مبارکہ کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص دنیا میں کسی کا مذاق اڑائے گا تو قیامت کے دن اس کا بھی مذاق اڑایا جائے گا۔ کیونکہ مذاق میں کسی کو اذیت پہنچانا، کسی کو حقیر جاننا اور توہین آمیز سلوک کا نشانہ بنانا مقصود ہوتا ہے اور یہ حرام ہے اور بعض اوقات اس کے بے ترتیب کلام بے تکے عمل پر ہنسا جاتا ہے جیسے کسی کے خط اور کاریگری پر ہنسنا اور چھوٹے قد پر ہنسنا یا اس میں کوئی دوسرا عیب ہو تو اس کی تضحیک اور تخلیق کا مذاق اڑانا، ان تمام باتوں پر ہنسنا استہزاء میں داخل ہے اور اس سے منع فرمایا گیا ہے۔

۱۰۔ راز افشا کرنا

راز افشا کرنے سے اس لئے منع کیا گیا ہے کہ اس کے ذریعے ایذا پہنچائی جاتی ہے اور دوست احباب کے حق کو معمولی سمجھا جاتا ہے۔ ابن اَبی الدنیا علیہ الرحمۃ روایت کرتے ہیں کہ ابن شہاب علیہ الرحمۃ نے فرمایا:

اَلْحَدِيْثُ بَيْنَكُمْ أَمَانَةٌ۔ (۲)

’’گفتگو تمہارے درمیان امانت ہے۔‘‘

امام غزالی علیہ الرحمۃ حضرت حسن بصری علیہ الرحمۃ کا قول نقل کرتے ہیں کہ اپنے بھائی کا راز بیان کرنا خیانت ہے۔ (۳)

(۱) بیہقی، شعب الإیمان، ۵: ۳۱۰۔۳۱۱، رقم: ۶۷۵۷

(۲) عجلونی، کشف الخفاء، ۱: ۹۰، رقم: ۲۲۱

(۳) غزالی، إحیاء علوم الدّین، ۳: ۱۳۲

ایک روایت میں ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ولید بن عتبہ سے ایک راز کی بات کہی، انہوں نے اپنے والد سے کہا ابا جان! امیر المومنین نے مجھ سے ایک راز کی بات کہی اور میں نہیں سمجھتا کہ جو بات انہوں نے آپ کے غیر سے کہی ہے وہ آپ سے پوشیدہ رکھوں، انہوں نے فرمایا: مجھے نہ بتانا کیونکہ جو آدمی راز کو چھپائے رکھتا ہے اسے اختیار ہوتا ہے، لیکن جب ظاہر کر دے تو وہ اس کے اختیار سے نکل جاتا ہے۔ وہ کہتے ہیں میں نے کہا ابا جان! یہ معاملہ باپ بیٹے کے درمیان ہوتا ہے انہوں نے کہا: اے بیٹے! اللہ کی قسم اس طرح نہیں، میں چاہتا ہوں کہ تم راز فاش کر کے اپنی زبان کو نہ پھسلاؤ وہ فرماتے ہیں ''میں'' حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور ان کو تمام بات بتائی انہوں نے فرمایا: اے ولید! تجھے تیرے باپ نے غلطی کی غلامی سے آزاد کر دیا۔[(۱)]

اس سے پتا چلا کہ راز افشا کرنا خیانت ہے اور جب اس کے ذریعے نقصان بھی پہنچایا جائے تو وہ حرام ہے اور اگر نقصان نہ پہنچے تو کمینگی ہے۔ لہٰذا کبھی بھی راز افشا نہیں کرنا چاہئے۔

۱۱۔ وعدہ خلافی

زبان وعدہ کی طرف پیش قدمی کرتی ہے لیکن نفس اسے پورا نہیں ہونے دیتا، یہ وعدہ خلافی منافقت کی علامات میں سے ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ۔[(۲)]

''اے ایمان والو! (اپنے) عہد پورے کرو۔''

ایک اور مقام پر حضرت اسماعیل علیہ السلام کی تعریف کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

(۱) غزالی، إحیاء علوم الدین، ۳: ۱۳۲

(۲) المائدہ، ۵: ۱

اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ۔[(۱)]

''بیشک وہ وعدہ کے سچے تھے۔''

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

اَلْعِدَةُ عَطِيَّةٌ۔[(۲)]

''وعدہ پورا کرنا عطیہ دینا ہے۔''

حضرت عبد اللہ بن ابو الحمساء رضی اللہ تعالی عنہا فرماتے ہیں کہ بعثت سے پہلے میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی چیز خریدی اور اس کی کچھ قیمت میری طرف باقی رہ گئی تھی میں نے وعدہ کیا کہ اسی جگہ لاکر دیتا ہوں۔ میں بھول گیا اور تین دن کے بعد یاد آیا، میں وہاں گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی جگہ موجود تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اے جوان! تم نے مجھے تکلیف دی ہے میں تین دن سے یہاں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔''[(۳)]

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''جب کوئی آدمی اپنے بھائی سے وعدہ کرتا ہے اور اس کی نیت وعدہ پورا کرنے کی ہو اور پورا نہ کر سکے یعنی مقررہ میعاد پر نہ آ سکے تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔''[(۴)]

---

(۱) مریم، ۱۹: ۵۴

(۲) ۱۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۲: ۴۴۷، رقم: ۱۷۷۳

۲۔ ديلمي، الفردوس بمأثور الخطاب، ۳: ۸۱، رقم: ۴۲۲۷

(۳) أبو داؤد، السنن، کتاب الأدب، باب في العدة، ۴: ۳۲۷، رقم: ۴۹۹۶

(۴) ۱۔ أبو داود، السنن، کتاب الأدب، باب في العدة، ۴: ۳۲۷، رقم: ۴۹۹۵

۱۲۔ کذب بیانی

جھوٹ بولنا نہایت قبیح قسم کے گناہوں میں شمار ہوتا ہے کیونکہ ایک جھوٹ کو چھپانے کے لئے سو جھوٹ بولنے پڑتے ہیں اور جھوٹ ہلاکت میں ڈالتا ہے۔ جبکہ سچ میں نجات ہے اور سچائی جنت کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سچ کو لازم پکڑو بے شک سچ نیکی کا راستہ دکھاتا ہے اور نیکی جنت کی طرف لے جاتی ہے اور جو آدمی برابر سچ بولتا رہتا ہے اور اس کا قصد کرتا رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ صدیق لکھ دیا جاتا ہے۔

و إِيَّاكُمْ وَالْكَذِبَ فَإِنَّ الْكَذِبَ يَهْدِي إِلى الْفُجُورِ، وَ إِنَّ الْفُجُورَ يَهْدِي إِلى النَّارِ۔(۱)

”جھوٹ سے اجتناب کرو بے شک جھوٹ گناہ کا راستہ دکھاتا ہے اور گناہ جہنم کی طرف لے جاتا ہے۔“

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”تین شخص ایسے ہیں جن سے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بات نہیں کرے گا پہلا وہ شخص جو ہر نیکی کا احسان جتلاتا ہے۔ دوسرا وہ جو جھوٹی قسم کھا کر سامان فروخت کرتا ہے اور تیسرا وہ جو اپنے کپڑوں کو تکبرانہ انداز میں ٹخنوں کے نیچے لٹکاتا ہے۔“(۲)

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب نماز

---

(۱) ۱۔ ترمذی، الجامع الصحیح، أبواب البر و الصلة، باب ماجاء فی الصدق والکذب، ۳: ۵۱۶، رقم: ۱۹۷۱

۲۔ طبرانی، معجم الأوسط، ۸: ۲۴۵، رقم: ۷۵۶۰

(۲) مسلم، الصحیح، کتاب الإیمان، باب بیان غلظ تحریم إسبال الإزار و المن بالعطیة، ۱: ۱۰۲، رقم: ۱۰۶

پڑھ لیتے تو چہرہ انور ہماری طرف کر کے فرماتے: ’’تم میں سے آج رات کسی نے خواب دیکھا ہے؟ اگر دیکھا ہو تو بیان کرے پس جو اللہ تعالیٰ چاہتا وہ کہہ دیتے۔ ایک روز آپ ﷺ نے ہم سے پوچھا کہ کیا تم میں سے کسی نے خواب دیکھا ہے، ہم عرض گزار ہوئے، نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: لیکن آج رات میں نے دیکھا دو آدمی میرے پاس آئے اور میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے ارضِ مقدس کی طرف لے گئے۔ وہاں ایک آدمی بیٹھا اور ایک کھڑا تھا۔ (کھڑے ہوئے آدمی کے) ہاتھ میں لوہے کا ایک ٹکڑا ہے، وہ بیٹھے ہوئے شخص کے جبڑے میں داخل کرتا اور گدّی تک پہنچ جاتا...... اسی طرح دوسری طرف کرتا ہے اور پہلا جڑ جاتا ہے...... پھر دوبارہ اسی طرح کرتا ہے۔ میں نے کہا کہ تم نے مجھے ساری رات پھرایا ہے لہٰذا مجھے بتاؤ جو میں نے دیکھا ہے تو ان دونوں (فرشتوں نے) کہا اچھا جس کو آپ ﷺ نے دیکھا اس کے جبڑے چیرے جا رہے ہیں، وہ بہت بڑا جھوٹا ہے جھوٹی باتیں بتاتا ہے اور لوگ انہیں لے کر دنیا بھر میں اڑاتے ہیں اس کے ساتھ قیامت تک یہی ہوتا رہے گا۔‘‘(۱)

امام غزالی علیہ الرحمۃ ’’إحیاء علوم الدین‘‘ میں نقل کرتے ہیں: حضرت لقمان حکیم نے اپنے بیٹے سے کہا ’’اپنے آپ کو جھوٹ سے بچاؤ۔ وہ چڑیا کے گوشت کی طرح لذیذ ہوتا ہے مگر آدمی اس تھوڑے سے گوشت کو بھی بھون لیتا ہے۔‘‘

حضرت عمر بن عبد العزیز علیہ الرحمۃ نے کسی معاملے میں ولید بن عبد الملک سے گفتگو کی تو اس نے کہا آپ جھوٹ بولتے ہیں۔ حضرت عمر بن عبد العزیز نے فرمایا: اللہ کی قسم! جب سے مجھے معلوم ہوا ہے کہ جھوٹ انسان میں عیب پیدا کر دیتا ہے تب سے میں نے جھوٹ نہیں بولا۔(۲)

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الجنائز، باب ما قیل فی أولاد المشرکین، ۱: ۴۶۵، رقم: ۱۳۲۰

۲۔ أحمد بن حنبل، ۵: ۱۴، رقم: ۲۰۴۲۷

(۲) غزالی، إحیاء علوم الدین، ۳: ۱۳۶۔۱۳۷

۱۳۔ غیبت

کسی مسلمان بھائی کی غیر موجودگی میں ایسی برائی یا عیب بیان کرنا جو اسے ناپسند ہو خواہ وہ اس کے بدنی یا نسبی عیب کا ذکر ہو یا اخلاق اور عمل کے اعتبار سے کوتاہی کا بیان ہو، اس کی دینوی خرابی کا ذکر ہو یا اخروی برائی کا حتی کہ اس کے کپڑے، مکان اور جانور کے حوالے سے نقص بیان کرنا سب غیبت میں شامل ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''کیا تم جانتے ہو کہ غیبت کیا ہے؟ صحابہ اکرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا! اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خوب جانتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ذِكْرُكَ أَخَاكَ بِمَا يَكْرَهُ۔

''تم اپنے بھائی کے اس عیب کا ذکر کرو جس کا ذکر اس کو ناپسند ہو۔''

عرض کیا گیا: اس کے بارے میں آپ کی رائے کیا ہے کہ اگر میرے بھائی میں وہ عیب ہو جس کا ذکر میں کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

إن كانَ فيهِ مَا تقولُ، فَقَدِ اغْتَبْتَهُ. وإنْ لَمْ يَكُنْ فِيهِ، فَقَدْ بَهَتَّهُ۔(۱)

''اگر تم نے وہ عیب بیان کیا جو اس میں ہے تبھی تو تم نے اس کی غیبت کی ہے اور اگر وہ عیب بیان کیا ہے جو اس میں نہیں تو تم نے اس پر بہتان لگایا ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآنِ حکیم میں واضح طور پر اس کی مذمت بیان فرمائی اور غیبت کرنے والے کو مردہ بھائی کا گوشت کھانے والے کی طرح قرار دیا ہے۔ ارشادِ

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب البروالصلة، باب تحریم الغیبة، ۴: ۲۰۰۱، رقم: ۲۵۸۹

۲۔ ترمذی، الجامع الصحیح، ابواب البروالصلة، باب ماجاءَ في الغیبة، ۳: ۴۹۰، رقم: ۱۹۳۴

باری تعالیٰ ہے:

وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ط اَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ اَنْ يَّأْكُلَ لَحْمَ أَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ۔ (۱)

''اور (کسی کے غیبوں اور رازوں کی) جستجو نہ کیا کرو اور نہ پیٹھ پیچھے ایک دوسرے کی برائی کیا کرو، کیا تم میں سے کوئی شخص پسند کرے گا کہ وہ اپنے مُردہ بھائی کا گوشت کھائے، سو تم اس سے نفرت کرتے ہو۔''

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہی حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''جب مجھے معراج کروائی گئی تو میں ایسے لوگوں کے پاس سے گزرا جن کے ناخن تانبے کے تھے۔ وہ اُن کے ساتھ اپنے چہروں اور سینوں کو نوچتے تھے۔ میں نے کہا: اے جرائیل! یہ کون لوگ ہیں؟ جرائیل امین علیہ السلام نے کہا یہ ایسے آدمی ہیں جو لوگوں کا گوشت کھاتے اور ان کی بے عزتی کرتے ہیں۔''(۲)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''تم پر اللہ تعالیٰ کا ذکر لازم ہے بے شک اس میں شفاء ہے لوگوں کے ذکر سے بچو کہ یہ بیماری ہے۔''

غیبت کرنے والے پر واجب ہے کہ وہ نادم ہو، توبہ کرے اور اپنے فعل پر افسوس کا اظہار کرے پھر اس سے معافی مانگے جس کی غیبت کی ہے تاکہ زیادتی سے بری الذمہ ہو جائے اور جب معافی مانگے تو غمگین اور افسردہ ہو

حضرت مجاہد علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ''جب تم اپنے بھائی کا گوشت کھاؤ (غیبت کرو) تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ اس کی تعریف کرو اور اس کے لئے بھلائی کی دعا مانگو۔''

کسی نے حضرت عطا بن ابی رباح علیہ الرحمۃ سے پوچھا غیبت سے توبہ کیسے

(۱) الحجرات، ۴۹: ۱۲

(۲) أبو داود، السنن، كتاب الأدب، باب في الغيبة، ۴: ۲۹۱، رقم: ۴۸۷۸

ہوسکتی ہے؟ تو انہوں نے فرمایا: ’’اس شخص کے پاس جاؤ جس کی غیبت کی ہے اور اس سے کہو میں نے جو کچھ کہا وہ جھوٹ ہے، میں نے تجھ پر زیادتی کی اور گناہ کیا ہے اگر چاہو تو اپنا حق لے لو اور چاہو تو معاف کر دو یہ زیادہ صحیح بات ہے۔‘‘(۱)

۱۴۔ چغل خوری

پوشیدہ بات کو ظاہر کرنا اور اس بات سے پردہ اٹھانا جس کو ظاہر کرنا ناپسندیدہ اور چغل خوری ہے قرآنِ حکیم ایسے شخص کی مذمت میں فرماتا ہے:

عُتُلٍّ م بَعْدَ ذٰلِکَ زَنِيْمٍ ○ (۲)

’’(جو) بدمزاج درُشت خو ہے، مزید برآں بد اَصل (بھی) ہے۔‘‘

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوے سنا:

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ نَمَّامٌ۔ (۳)

’’چغل خور جنت میں داخل نہیں ہوگا۔‘‘

امام غزالی علیہ الرحمۃ نقل کرتے ہیں کہ حضرت حماد بن سلمہ فرماتے ہیں: ’’ایک شخص نے غلام بیچا اور خریدار سے کہا: اس میں چغل خوری کے علاوہ کوئی عیب نہیں۔ اس نے کہا مجھے منظور ہے۔ چنانچہ اس نے خرید لیا۔ غلام چند دن تو خاموش رہا پھر اپنے مالک کی بیوی سے کہنے لگا: آقا تجھے پسند نہیں کرتا اور وہ دوسری عورت لانا چاہتا ہے، جب تمہارا

(۱) غزالی، إحياء علوم الدين، ۳: ۱۵۳

(۲) القلم، ۶۸: ۱۳

(۳) مسلم، الصحيح، كتاب الإيمان، باب ببان غلظ تحريم النميمة، ۱: ۱۰۱، رقم: ۱۰۵

خاوند سو رہا ہو تو استرے کے ساتھ اس کی گدی کے چند بال مونڈ لینا، تا کہ میں کوئی منتر کروں اور وہ تم سے محبت کرنے لگے، پھر اس نے مالک سے کہا تمہاری بیوی نے کسی کو دوست بنا رکھا ہے اور وہ تجھے قتل کرنا چاہتی ہے، تم بناوٹی طور پر سو جانا تا کہ تمہیں معلوم ہو جائے، جب مالک سو گیا تو اس کی بیوی استرا لے کر آئی۔ اس نے سوچا کہ وہ اسے قتل کر رہی ہے وہ اٹھا اور اس نے بیوی کو قتل کر دیا، اس کی بیوی کے گھر والے آئے تو انہوں نے اس کو قتل کر دیا اور اس طرح دونوں قبیلوں کے درمیان لڑائی جاری ہوگئی۔ (۱)

۱۵۔ دو رُخی

جو شخص ایسے دو آدمیوں کے پاس جائے جو ایک دوسرے کے دشمن ہیں اور وہ ان میں سے ہر ایک کی بات دوسرے تک پہنچائے، ان کی ایک دوسرے سے دشمنی کو اچھا قرار دے، دونوں سے مدد کا وعدہ کرے، ان میں سے ہر ایک کے سامنے اس کی تعریف کرے اور جب وہ موجود نہ ہو تو اس کی برائی بیان کرے ایسا شخص دوغلہ یا دو باتوں والا کہلاتا ہے۔ ابوداؤد علیہ الرحمۃ (۲۰۲۔ ۲۷۵ھ) ”كتاب الأدب“ کے ذیل میں باب ”في ذي الوجهين“ میں حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ كَانَ لَهُ وَجْهَانِ فِي الدُّنْيَا كَانَ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لِسَانَانِ مِنْ نَارٍ۔ (۲)

”جو دنیا میں دومنہ رکھے یعنی دوغلہ ہو تو قیامت کے روز اس کی آگ کی دو زبانیں ہونگی۔“

---

(۱) غزالی، إحياء علوم الدين، ۳: ۱۵۸

(۲) أبو داؤد، السنن، كتاب الأدب، باب في ذي الوجهين، ۴: ۲۹۰، رقم: ۴۸۷۳

۲۔ ابن أبي شيبة، المصنف، ۵: ۲۲۴، رقم: ۲۵۴۵۴

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ مِنْ شَرِّ النَّاسِ عِنْدَ اللهِ يَوْمَ القِيَامَةِ ذَا الْوَجْهَيْنِ۔[۱]

’’قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدترین آدمی وہ ہے جس کے دو منہ ہوں (یعنی ایک کے ساتھ اور بات، دوسرے کے ساتھ اور بات کرنے والا ہو)۔‘‘

لہٰذا زبان کی اس آفت سے بچنے کے لئے خاموشی اختیار کی جائے۔

۱۶۔ خوشامد

امام غزالی علیہ الرحمۃ بیان کرتے ہیں کہ تعریف کرنے میں چھ آفات ہیں۔ چار آفات کا تعلق تعریف کرنے والے سے ہے اور دو کا اس سے جس کی تعریف کی گئی، جہاں تک تعریف کرنے والے کا تعلق ہے تو پہلی بات یہ ہے کہ وہ حد سے بڑھ کر تعریف کرے یہاں تک کہ جھوٹ تک پہنچ جائے۔ دوسری آفت یہ ہے کہ وہ تعریف کرتے ہوئے محبت کا اظہار کرتا ہے لیکن جو کچھ وہ کہتا ہے اس کا اعتقاد نہیں رکھتا۔ گویا اس طرح وہ ریاکار منافق ہوتا ہے۔ تیسری آفت یہ ہے کہ تحقیق کے بغیر گفتگو کرتا ہے اور اسے اس پر اطلاع نہیں ہوتی لیکن جب وہ کہے میں نے رات کے وقت اسے نماز پڑھتے دیکھا ہے۔ میں نے اسے صدقہ کرتے اور حج کرتے دیکھا ہے، تو یہ یقینی امور ہیں وہ اوصاف جو مخفی ہیں مثلاً وہ عادل ہے راضی رہنے والا ہے تو جب تک اس کے باطن کا علم نہ ہو قطعی طور پر کچھ نہ کہے۔ چوتھی آفت یہ ہے کہ وہ ممدوح کو خوش کرتا ہے حالانکہ وہ ظالم یا فاسق ہے اور یہ بات جائز نہیں ہے۔[۲]

(۱) ترمذی، الجامع الصحيح، أبواب البر و الصلة، باب مَا جَاءَ في ذي الْوجْهَيْنِ، ۳: ۵۴۹، ۵۵۰، رقم: ۲۰۲۵

(۲) غزالی، إحياء علوم الدين، ۳: ۱۵۹

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

إِذَا مُدِحَ الْفَاسِقُ غَضَبَ الرَّبُّ وَ اهْتَزَّلَهُ الْعَرْشُ۔ (۱)

’’جب فاسق کی تعریف کی جائے تو اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے اور اس کے غضب سے عرش ہلتا ہے۔‘‘

حضرت حسن بصری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ’’جو شخص ظالم کے لئے لمبی زندگی کی دعا مانگتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی زمین پر اس کی نافرمانی کو پسند کرتا ہے۔‘‘

لٰہذا ظالم اور فاسق کی مذمت کرنی چاہیے تاکہ اسے افسوس ہو نہ کہ تعریف کہ وہ خوش ہو۔ (۲)

دوسری بات یہ ہے کہ جب وہ اس کی بجا طور پر تعریف کرتا ہے تو وہ خوش ہوتا ہے اور اپنے نفس پر راضی ہوتا ہے اور اس وجہ سے اس کی کوشش میں کمی آ جاتی ہے۔ زیادہ محنت اس بات کی کرتا ہے جس کی اپنے اندر کمی دیکھتا ہے لیکن جب زبان پر تعریفی کلمات ہوں تو وہ سمجھتا ہے کہ میں کامل ہو چکا ہوں۔

۱۷۔ کثرتِ سوال

انسان کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ قرآنِ حکیم کے احکام پر عمل کرے، لیکن یہ بات اس کے دل پر گراں گزرتی ہے اور فضول باتیں اسے آسان معلوم ہوتی ہیں۔ عام طور پر وہ علمی مسائل پر بحث میں خوشی محسوس کرتا ہے، کیونکہ شیطان اس کے دل میں خیال ڈالتا ہے کہ تم بھی ایک عالم ہو اور فضیلت کے مالک ہو۔ وہ ہمیشہ اس بات کو اس کے دل میں پختہ کرتا رہتا ہے حتی کہ وہ علم کے سلسلے میں کفریہ بات کہہ ڈالتا ہے۔ اسے علم نہیں ہوتا کہ

(۱) بیہقی، شعب الإیمان، ۴: ۲۳۰، رقم: ۴۸۸۶

(۲) غزالی، إحیاء علوم الدین، ۳: ۱۶۰

وہ کبیرہ گناہ کا ارتکاب کر رہا ہے، خصوصاً جب وہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات میں بحث اور بے جا سوالات کرتا ہے۔ لہٰذا جو باتیں عبادات سے متعلق نہیں ہیں، ان کے بارے میں پوچھنا بے ادبی ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لَنْ يَبْرَحَ النَّاسُ يَتَسَاءَلُوْنَ حَتَّى يَقُوْلُوْا: هٰذَا اللهُ خَالِقُ كُلِّ شَيءٍ، فَمَنْ خَلَقَ اللهَ۔(۱)

’’لوگ برابر پوچھتے رہیں گے یہاں تک کہ کہیں گے اللہ نے تو سب چیزوں کو پیدا کیا ہے مگر اللہ کو کس نے پیدا کیا ہے؟‘‘

حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السّلام کے واقعہ میں اس بات سے آگاہی حاصل ہوتی ہے کہ سوال اسی وقت کرنا چاہئے جب اس کا وقت ہو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

قَالَ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِیْ فَلَا تَسْئَلْنِیْ عَنْ شَیْءٍ حَتّٰی اُحْدِثَ لَکَ مِنْهُ ذِکْرًاo(۲)

’’(خضر علیہ السلام نے) کہا: پس اگر آپ میرے ساتھ رہیں تو مجھ سے کسی چیز کی بابت سوال نہ کریں یہاں تک کہ میں خود آپ سے اس کا ذکر کردوںo‘‘

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کشتی توڑنے سے متعلق سوال کیا تو حضرت

(۱) ۱۔ بخاری، الصّحيح، كتاب الإعتصام بالكتاب و السنّة، باب ما يُكْرَهُ مِنْ كَثْرَةِ السُّؤال، ۶: ۲۶۶۰، رقم: ۶۸۶۶

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الإيمان، باب بيان الوسوسه فی الإيمان، ۱: ۱۱۹، رقم: ۱۳۴

(۲) الكهف، ۱۸: ۷۰

خضر علیہ السلام نے اعتراض کیا۔ اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے معذرت پیش کرتے ہوئے فرمایا:

قَالَ لَا تُؤَاخِذۡنِیۡ بِمَا نَسِیۡتُ وَلَا تُرۡهِقۡنِیۡ مِنۡ اَمۡرِیۡ عُسۡرًا○[1]

''موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا: آپ میری بھول پر میری گرفت نہ کریں اور میرے (اس) معاملہ میں مجھے زیادہ مشکل میں نہ ڈالیں○''

پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے صبر نہ ہوسکا حتی کہ آپ علیہ السلام نے تیسری بار سوال کیا تو انہوں نے یہ کہتے ہوئے جدائی اختیار کر لی۔

قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَیۡنِیۡ وَبَیۡنِکَ ج سَاُنَبِّئُکَ بِتَاۡوِیۡلِ مَالَمۡ تَسۡتَطِعۡ عَّلَیۡهِ صَبۡرًا○[2]

''(خضر علیہ السلام نے) کہا: یہ میرے اور آپ کے درمیان جدائی (کا وقت) ہے، اب میں آپ کو ان باتوں کی حقیقت سے آگاہ کیے دیتا ہوں جن پر آپ صبر نہیں کر سکے○''

قرآنِ حکیم کے احکام پر عمل کی بجائے اس کے محض حروف کی بناوٹ میں الجھ جانا ایسے ہی ہے جیسے کوئی بادشاہ ایک آدمی کو خط لکھے اور وہ اس کے مندرجات پر عمل کرنے کی بجائے اس بات پر وقت ضائع کردے کہ اس خط کا کاغذ پرانا ہے یا نیا۔ ایسا آدمی یقیناً سزا کا مستحق ہوگا۔ اسی طرح عام آدمی جب قرآنی حروف کے قدیم اور حادث ہونے یا اﷲ تعالیٰ کی صفات کو زیرِ بحث لانے میں مشغول ہوتا ہے تو وہ اپنا وقت ضائع کرتا ہے۔

جو شخص ان تمام باتوں پر غور کرے جو ہم نے زبان کی آفات کے سلسلے میں ذکر

(۱) الکہف، ۱۸: ۷۳

(۲) الکہف، ۱۸: ۷۸

کی ہیں تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ اگر وہ زبان کو کھلی چھٹی دے گا تو وہ اس کی آفاتِ سے محفوظ نہیں رہ سکے گا۔ کیونکہ یہ تمام آفات ہلاک اور تباہ کرنے والی ہیں اور اگر وہ ان کے بارے میں خاموشی اختیار کرے تو وہ ان تمام آفات و بلیّات سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ البتہ جب زبان فصیح اور علم زیادہ ہو تو انسان تقویٰ اور پرہیزگاری کے ساتھ زبان کی حفاظت کرسکتا ہے۔ ورنہ ان سب باتوں کے باوجود وہ خطرات سے بچ نہیں سکتا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے زبان کی آفات سے محفوظ رہنے کی توفیق مانگتے رہنا چاہیے۔

www.MinhajBooks.com

باب یازدہم

خلوت اور کم آمیزی

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش
www.MinhajBooks.com

www.MinhajBooks.com

وادی سلوک و طریقت میں قدم رکھنے والے کے لئے خلوت اور گوشہ نشینی کی اہمیت محتاج بیاں نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ صمدیت میں قرب حاصل کرنے کے لئے خلوت و کم آمیزی گاہے گاہے ناگزیر ہو جاتی ہے۔ اس کی ضرورت و اہمیت بیان کرنے سے پہلے یہ جان لینا ضروری ہوگا کہ خلوت سے کیا مراد ہے؟

خلوت کا معنی و مفہوم

خَلْوَةٌ عربی زبان کا لفظ ہے جو خَلَا سے مشتق ہے۔ لغت کی رو سے اس کے متعدد معانی ہیں جیسے گوشہ نشین ہونا، تنہا ہونا، کسی کو تنہائی میں ملنا، خود کو کسی کام میں لگا دینا کسی جگہ کو لازم پکڑنا، دل کی تسلی حاصل کرنا، مطمئن ہونا، غم سے جدا ہونا، منفرد ہونا اور تخلیہ میں جانا وغیرہ۔(۱)

خلوت سے مراد نفس کی اصلاح و درستگی کے لئے دل کو مخلوق سے اس طرح جدا کر لینا ہے کہ خلوت اور جلوت میں بہر حال صرف خالق کی یاد ہی غالب رہے۔

خلوت نشینی کی ضرورت و اہمیت

عصر حاضر میں ایمان کی حفاظت کے لیے کم آمیزی اور خلوت لازمی و لابدی ہے کیونکہ آج کے مسلم معاشرے میں ایمانی حقائق اور روحانی اقدار کی جگہ مادہ پرستی نے

---

(۱) ۱۔ ابن منظور، لسان العرب، ۱: ۶۸

۲۔ ابن فارس زکریا، معجم مقاییس اللّغۃ: ۳۰۷

۳۔ بطرس البستاني، محیط المحیط: ۲۴۶

لے لی ہے۔اس دورِ زوال میں عامۃ المسلمین بالعموم اورنوجوان نسل بالخصوص ذہنی اور فکری طور پر مادہ پرستی کے چنگل میں گرفتار ہوکر دین اسلام سے دور ہیں اور اسلامی تعلیمات پر ان کا اعتماد متزلزل ہوتا جا رہا ہے۔ مغربی تہذیب و ثقافت کی یلغار نے تمام معاشرتی قدروں اورفکر کے زاویوں کو ایک خطرناک اور جدید رخ پر ڈال دیا ہے۔نتیجتاً شریعت کی گرفت کمزور پڑگئی ہے، ہم محض نام کے مسلمان رہ گئے ہیں اور ہمارا اسلامی تشخص بقول اقبال:

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

کا آئینہ دار ہے۔

اسلامی ممالک میں شراب نوشی اور رقص و سرود کی محفلیں معمول کی بات بن گئی ہیں۔جنسی بے راہروی اور اخلاقی بحران نے نوجوان نسل کو الا ماشاء اللہ اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے۔ ریڈیو، ٹی وی، وی سی آر، کیبل اور انٹرنیٹ کے ذریعے فحاشی وعریانی کا سیلاب گھروں کے بیٹوں اور بیٹیوں کی حیاء اورعفت و پاکیزگی کو خس و خاشاک کی طرح بہائے لے جا رہا ہے۔نوجوان نسل بلاامتیازجنس اس بدترین اخلاقی سیلاب میں بہہ رہی ہے۔خیر اور نیکی کے سوتے خشک ہوتے جارہے ہیں، مساجد ویران ہیں۔دینی اجتماعات سے بے رغبتی بڑھ رہی ہے، علماء وصوفیاء کرام کی مجالس سونی ہوتی جارہی ہیں اور بزرگوں کے مزارات سے لاتعلقی و بیگانگی ہمارا شیوہ بنتی جا رہی ہے۔ نیک لوگوں کی صحبتیں دنیاداری کی ہوس کی وجہ سے اجڑ گئی ہیں، گویا وہ مراکز جو دین اور خیر خواہی کی دعوت دیتے اور برائی سے روکتے تھے اب اپنی جاذبیت اور کشش کھو بیٹھے ہیں، مساجد اگرچہ ایک سے بڑھ کر ایک حسن و رعنائی اور ذوق و جمال کا مرقع ہیں لیکن اکثر گزرنے والے ایک اچٹتی ہوئی نگاہ ڈال کر گزر جاتے ہیں اور انہیں اتنی توفیق نہیں ہوتی کہ اپنی جبیں نیاز خم کر کے بارگاہِ ایزدی میں سجدہ ریز ہوں اور ذکر وفکر سے شغف حاصل کریں اور اگر کسی کو توفیق ملتی ہے تو

یہ اس کا کمال نہیں بلکہ

ذٰلِکَ فَضۡلُ اللهِ یُؤۡتِیۡهِ مَنۡ یَّشَآءُ۔[۱]

’’یہ (انقلابی کردار) اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔‘‘

آج ضرورت اس امر کی ہے کہ انفرادی و اجتماعی سطح پر اصلاحِ امت پر توجہ مرکوز کی جائے۔ اگر ایسا نہیں کریں گے تو وہ معاشرہ جو ہم جیسے افراد سے ہی تو مل کر بنتا ہے کیسے صالح ہو گا؟ لہٰذا یہ ازبس ضروری ہے کہ اسلام کو اس طریقہ سے پڑھا، سمجھا اور پیش کیا جائے کہ مسلمان نوجوانوں کے عقائد کی بنیادیں متزلزل ہونے کی بجائے مضبوط سے مضبوط تر ہوتی جائیں۔

قرآنِ حکیم جا بجا انسان کو تعقل و تدبر، سوجھ بوجھ اور عقل و فہم سے کام لینے کی دعوت دیتا ہے کسی جگہ اَفَلَا یَتَدَبَّرُوۡنَ الۡقُرۡاٰنَ[۲] کہہ کر اور کسی جگہ وَیَتَفَکَّرُوۡنَ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ[۳] کہہ کر اشیاء کی تخلیق و ماہیت کے بارے میں علم حاصل کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ تاہم اس امر سے انکار ممکن نہیں کہ کائنات میں غور و فکر اور تفکر خلوت اور کم آمیزی سے ہی ممکن ہے۔ خلقت کے اعتبار سے ہر انسان اپنے نفس کا بصیر ہے اور اس کے اندر فجور اور تقویٰ کا شعور بیدار کر کے اچھائی، برائی، نیکی و بدی اور خیر و شر کے درمیان تمیز کرنے کی صلاحیت ودیعت کی گئی ہے لیکن یہ شعور نفسِ امارہ کے ہاتھوں پسپائی کی راہ اختیار کر چکا ہے۔ حرص و ہوا، لالچ، مفاد پرستی، غرور و تکبر، خودغرضی و خود پسندی، بغض، حسد و کینہ اور عداوت، عیاری و مکاری، دجل و فریب وغیرہ یہ سب اس نفس کی آفات ہیں جن سے انسان کو ہمہ وقت اللہ کی پناہ مانگتے رہنا چاہیے۔ نفس کبھی عالم کو علم کے گھمنڈ میں مبتلا کر دیتا ہے تو کبھی عبادت گزار میں کثرت مجاہدہ کا تکبر پیدا کر دیتا ہے،

(۱) المائدة، ۵: ۵۴

(۲) النساء، ۴: ۸۲

(۳) آل عمران، ۳: ۱۹۱

کبھی کسی سخی کو سخاوت کے زعم اور کبھی کسی مجاہد کو خود پسندی کے فریب میں پھنسا کر اس کی عاقبت برباد کر دیتا ہے۔ ہر انسان پر اس کا حملہ اس کے حسبِ حال ہوتا ہے، نیکوکار اس کے چنگل میں گرفتار ہو جائے تو یہ آن واحد میں اس کا خرمنِ اعمال خاکستر کر کے رکھ دیتا ہے اور اس کی مدتوں کی کمائی آناً فاناً لٹ کر رہ جاتی ہے۔ نفس کی ہلاکت خیزیوں کا یہ عالم ہے کہ انسان کبھی زندگی بھر اس کی غارت گری پر مطلع نہیں ہو پاتا اور جب اچانک پردہ اٹھتا ہے کہ میں کس قدر فریبِ نفس میں مبتلا رہا اور یہ ظالم نفس کس طرح مجھے اپنے دام میں شکار کئے ہوئے تھا تو سوائے کفِ افسوس ملنے کے اور کوئی چارہ نہیں ہوتا۔ واقعی اگر اسے اصلاح کئے بغیر اس کی حالت پر چھوڑ دیا جائے تو وہ بدی کے لئے زبردست داعیہ اور کشش کا سامان بندے کے دل میں پیدا کر دیتا ہے۔ نفس کی اس حالت پر قابو محنت، مجاہدہ اور مشقت کے ذریعے ہی پایا جا سکتا ہے۔ نفسِ امارہ کو نفس ملھمہ اور پھر نفس لوامہ میں بدلنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ اس کے بعد نفس مطمئنہ اور نفس راضیہ و مرضیہ کی منزل آتی ہے جس تک رسائی بڑے دل گردے کا کام ہے۔ یہ مقامات و درجات اہل اللہ اور اولیائے کرام اور صوفیائے کرام کے ہیں۔ نفس کی شر انگیزیوں اور جنونی جذبات پر قابو پانا عام دنیا دار کے لئے کوئی آسان کام نہیں۔

ایک عام مسلمان بھی اگر برائی اور بری صحبت سے بچنا چاہے تو اس کے لئے ایسا کرنا مجاہدہ کے ساتھ خلوت اور کم آمیزی کے بغیر ممکن نہیں۔ اسی راہِ تصوف میں عبادت و ریاضت، اصلاحِ باطن، صفائے قلب، محاسبۂ نفس، تزکیہ نفس، روح کی تربیت، مولا سے ٹوٹا ہوا تعلق جوڑنے، اس کے حضور توبہ و اِستغفار اور مناجات کرنے کیلئے اور خالق حقیقی کی رضا جوئی کیلئے خلوت میں یکسوئی سے چند لمحات گزارنا لازمی اور ضروری سمجھا جاتا ہے۔

خلوت نشینی اور طریقِ انبیاء علیھم السلام

اللہ تعالیٰ کو اپنے بندے کی وہ عبادت و ریاضت بے حد مقبول ہے جو وہ خلوت

میں رہ کر کرتا ہے۔ قرب و وصالِ حق کے جو لمحات خلوت میں نصیب ہوتے ہیں وہ جلوت میں میسر نہیں ہو سکتے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت انبیاء کرام علیہم السّلام فرائضِ نبوت کی تکمیل کے ساتھ خلوت نشینی بھی اختیار کرتے رہے ہیں۔ قرآنِ حکیم میں بعض انبیاء کرام علیہم السّلام کی خلوت نشینی کا ذکر کیا گیا ہے۔

۱۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خلوت نشینی

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہِ طور پر اپنی ہمکلامی سے نوازنے سے قبل چالیس راتیں یکسوئی سے اپنی عبادت اور ذکر و فکر میں منہمک رہنے کا حکم فرمایا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَوٰعَدْنَا مُوْسٰی ثَلٰثِیْنَ لَیْلَةً وَّاَتْمَمْنٰـهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِیْقَاتُ رَبِّهٖٓ اَرْبَعِیْنَ لَیْلَةً۔ (۱)

’’اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) سے تیس راتوں کا وعدہ فرمایا اور ہم نے اسے (مزید) دس (راتیں) ملا کر پورا کیا، سو ان کے رب کی (مقرر کردہ) میعاد چالیس راتوں میں پوری ہوگئی۔‘‘

منشائے خداوندی کی تعمیل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کی اصلاح اور رشد و ہدایت کیلئے حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنا نائب مقرر کرنے کے بعد خلوت نشینی اختیار فرمائی۔ چالیس راتوں کی خلوت کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی خصوصی نوازشات اور عنایات سے فیض یاب فرمایا۔

۲۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خلوت نشینی

اللہ رب العزت نے اپنے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبانی عبادت میں

(۱) الاعراف، ۷: ۱۴۲

یکسوئی کا ذکر یوں کیا ہے:

وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللهِ وَاَدْعُوْا رَبِّیْ عَسٰۤی اَلَّاۤ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّیْ شَقِیًّا ○ (۱)

’’اور میں تم (سب) سے اور ان (بتوں) سے جنہیں تم اللہ کے سوا پوجتے ہو کنارہ کش ہوتا ہوں اور اپنے رب کی عبادت میں (یکسو ہوکر) مصروف ہوتا ہوں، امید ہے میں اپنے رب کی عبادت کے باعث محرومِ (کرم) نہ رہوں گا ○‘‘

اس عباداتِ الٰہیہ کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلوت گزینی اختیار کرنا پڑی۔

۳۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خلوت نشینی

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ذکرِ الٰہی میں یکسو ہونے کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَ تَبَتَّلْ اِلَیْهِ تَبْتِیْلًا ○ (۲)

’’اور آپ اپنے رب کے نام کا ذکر کرتے رہیں اور (اپنے قلب و باطن میں) ہر ایک سے ٹوٹ کر اسی کے ہو رہیں۔‘‘

ایک دوسرے مقام پر فرمایا:

فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ○ وَاِلٰی رَبِّكَ فَارْغَبْ ○ (۳)

’’پس جب آپ (تعلیمِ امت، تبلیغ و جہاد اور ادائیگی فرائض سے) فارغ ہوں

(۱) مریم، ۱۹: ۴۸

(۲) المزّمل، ۷۳: ۸

(۳) الم نشرح، ۹۴: ۷،۸

تو (ذکر و عبادت میں) محنت فرمایا کریں۔ اور اپنے رب کی طرف راغب ہو جایا کریں۔‘‘

ان آیات کریمہ پر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ حضور نبی اکرم ﷺ کو اور آپ کے واسطے سے جمیع امت کو کچھ خاص وقت کے لئے دنیا و مافیھا سے کٹ کر اللہ کو یاد کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ ذکر و فکر الٰہی کی یہ صورت خلوت نشینی کے بغیر ممکن نہیں۔ انسان کو دن میں چند ساعتوں کے لئے یا مہینے میں چند دنوں کے لئے وقت نکال کر خلوت نشین ہونے سے ہی قرب و وصال الٰہی کی دولت سے ہمکنار ہو سکتا ہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ کی طبیعت مبارکہ کو نزول وحی سے قبل خلوت مرغوب تھی اور آپ ﷺ غارِ حرا میں کئی کئی دن خلوت نشینی اختیار فرماتے۔ بچپن سے ہی حضور نبی اکرم ﷺ کی طبیعت میں اس کا رجحان تھا لیکن جب زمانہ بعثت قریب آیا تو اس ذوق و شوق میں شدید اضافہ ہو گیا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

’’حضور نبی اکرم ﷺ پر وحی کی ابتداء اچھے خوابوں سے ہوئی۔ آپ ﷺ جو خواب دیکھتے وہ صبح کی روشنی کی طرح ظاہر ہو جاتا، پھر آپ ﷺ خلوت پسند ہو گئے اور غارِ حرا میں جانا شروع کر دیا، وہاں کئی کئی راتیں ٹھہر کر عبادت کرتے، قبل اس کے کہ اپنے اہلِ خانہ کی طرف لوٹتے تو اس کے لئے زادِ راہ ساتھ رکھتے، پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی طرف لوٹتے تو وہ اسی طرح کھانے پینے کا بندوبست کر دیا کرتیں یہاں تک کہ آپ ﷺ کے پاس حق آ گیا۔‘‘(۱)

اس حدیثِ مبارکہ سے خلوت نشینی کے سنتِ مصطفیٰ ﷺ ہونے کا ثبوت فراہم ہوتا ہے۔ خلوت اور رہبانیت میں فرق یہ ہے کہ رہبانیت ترکِ دنیا ہے۔ اس میں دائمی اور جمیع فرائض و امورِ دنیا سے کنارہ کشی کرنا پڑتی ہے جبکہ خلوت نہ دائمی ہے اور نہ جمیع

(۱) بخاري، الصحيح، كتاب بدء الوحي، باب كيف كان بدء الوحي إلى رسول الله ﷺ، ۱: ۴، رقم: ۳

امورِ دنیا کے ترک کرنے بلکہ ہجوم دنیا کے اندر رہتے ہوئے کبھی کبھی تنہائی پیدا کر لینے کا نام ہے۔ اعتکاف اسی خلوت نشینی کی ایک صورت ہے جسے سنتِ مصطفیٰ ﷺ کے تحت اس امت میں روا رکھا گیا ہے۔

قابل غور بات یہ ہے کہ خلوت اختیار کرنے کی ترغیب انبیاء علیہم السلام کو دی گئی ہے جو ہر گناہ سے پاک اور معصوم ہیں۔ تو سوال یہ ہے کہ ایک عام مسلمان جو برائی سے بچنا چاہتا ہے وہ خلوت نشینی اختیار کیے بغیر نفس کی برائیوں سے کیسے محفوظ رہ سکتا ہے؟ کیونکہ یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ نفس ہمہ وقت برائی پر اکساتا رہتا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ۔ (۱)

''بیشک نفس تو برائی کا بہت ہی حکم دینے والا ہے۔''

نیکی کے کام سے انحراف نفس امّارہ کا شیوہ اور اس کی فطرت میں شامل ہے۔ چنانچہ کاروبارِ حیات کی ذمہ داریاں نبھاتے ہوئے انسان بالعموم غفلتوں کا شکار رہتا ہے۔ نتیجۃً انسان کا شعورِ بندگی بیدار نہیں رہتا اور وہ مسلسل بغاوت و سرکشی پر مائل رہتا ہے۔ اسی شعورِ بندگی کو بیدار کرنے کے لئے اسلام نے اپنے ہر ماننے والے کو اس امر کی تعلیم دی ہے کہ معمولاتِ زندگی میں سے کچھ وقت نکال کر تھوڑی دیر کے لئے گوشہ تنہائی میں اپنے نفس کا محاسبہ کرے اور اپنے آپ کو ایک مجرم کی حیثیت سے اپنے آقا و مولا کی بارگاہ میں پیش کرتے ہوئے اصلاحِ احوال کا متمنی ہو تاکہ ذکرِ الٰہی، ریاضت و مجاہدہ اور تصفیۂ باطن کے ذریعے اپنی خلوت وجلوت میں محبوبِ حقیقی کے قرب سے بہرہ ور ہو سکے۔

اللہ رب العزت کا اپنے محبوب کریم ﷺ کے تصدق سے امتِ محمدی ﷺ پر خصوصی لطف و احسان ہے کہ وصالِ حق کی وہ منزل جو پہلی امتوں کو زندگی بھر کی مشقتوں

(۱) یوسف، ۱۲: ۵۳

اور ریاضتوں کے نتیجے میں بھی حاصل نہیں ہو سکی وہ امتِ مسلمہ کو محدود مدت کی خلوت نشینی میں میسر آ سکتی ہے۔

اِعتکاف کی حقیقت ...... خلوت نشینی

اعتکاف کی حقیقت خلوت نشینی ہے اس لئے انسان اعتکاف میں اس امر کا اعتراف کرے کہ میرا نفس فتنہ وفساد، بغاوت اور سرکشی کی آماجگاہ اور شر کا پیکر ہے تو کیوں نہ میں کچھ عرصہ کے لئے گوشہ نشین ہو جاؤں تاکہ مخلوقِ خدا کچھ عرصہ کے لئے میرے نفس کی فتنہ سامانیوں اور ہلاکت خیزیوں سے محفوظ رہ سکے۔ اگر انسان چند روز کے لئے اللہ کے ساتھ اپنے تعلق بندگی کی تجدید اور اپنے خالق و مالک کے ذکر سے اپنے دل کی دنیا آباد کر لے، تو مخلوق سے کٹ کر اپنے خالق سے لو لگانے کے یہ چند ایام سال بھر کی عبادت اور محنت و مشقت پر بھاری قرار پائیں گے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يَعْتَكِفُ الْعَشْرَ الْأَوَاخِرَ مِنْ رَمَضَانَ۔[1]

’’حضور نبی اکرم ﷺ رمضان المبارک کے آخری عشرے میں اعتکاف فرماتے تھے۔‘‘

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے معتکف کے بارے میں فرمایا:

(۱) بخاری، الصحیح، کتاب الاعتکاف، باب الاعتکاف في العشر الأواخر، ۲: ۷۱۳، رقم: ۱۹۲۱

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الإعتکاف، باب اعتکاف العشر الأواخر من رمضان، ۲: ۸۳۰، رقم: ۱۱۷۲

هُوَ يَعْكِفُ الذُّنُوبَ وَ يُجْرِی لَهُ مِنَ الْحَسَنَاتِ كَعَامِلِ الْحَسَنَاتِ كُلِّهَا۔ (۱)

’’وہ گناہوں سے رک جاتا ہے اور اس کے لئے ایسی نیکیاں لکھی جاتی ہیں جو تمام نیکیوں پر عمل کرنے والے کے لئے لکھی جاتی ہیں۔‘‘

ان احادیث مبارکہ سے واضح ہے کہ اعتکاف جو خلوت نشینی کا اعلیٰ ترین درجہ ہے انسان کو گناہوں سے روک کر اس کے اندر تقویٰ و طہارت کا نور بھر دیتا ہے۔

خلوت نشینی کی غرض و غایت

خلوت نشینی سے مقصد یہ ہے کہ انسان خود کو مخلوق سے قلباً جدا کر لے اور جب خلوت سے باہر آئے تو نفس سے خود کو جدا کر چکا ہو۔ گویا خلوت نشینی کا مقصد بری صفات سے رہائی پانا، علوم دین دلوں میں پختہ و مستحکم کرنا، ہمہ تن اللہ کی طرف متوجہ ہونا اور کثرتِ ذکر و مناجات کرنا ہے تاکہ زندگی عمدہ عادات و صفات سے بہرہ ور ہو اور معرفتِ الٰہی کا نور حاصل ہو جائے۔ خلوت کے لئے اپنے وطن سے دوری مقصود نہیں بلکہ ایمان کی حفاظت اور دورِ حاضر کے فتنوں سے محفوظ رہنا مقصود ہے اور مطلوب یہ ہے کہ لوگوں کے ساتھ میل جول کے لئے اعتدال کی راہ اس طرح اختیار کی جائے کہ ظاہر مخلوق کے ساتھ رہے اور باطن مخلوق سے جدا ہو کر فقط اللہ تعالیٰ کے قرب میں ہو جائے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کے عہد مبارک میں کچھ لوگوں نے علیحدہ ہوکر خاموشی اختیار کی اور وہ خیال کرتے تھے کہ اس سے عبادت میں خوب مدد ملے گی۔ حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ کا گزران (خلوت نشینوں) کے پاس سے ہوا تو آپ ﷺ نے انہیں سلام کیا تو انہوں نے سلام کا جواب تک نہ دیا۔

---

(۱) ابن ماجة، السنن، كتاب الصيام، باب فی ثواب الاعتكاف، ۱: ۳۷۶، رقم: ۱۷۸۱

راوی بتاتے ہیں جب ہم آگے بڑھے تو آپ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

هلك المتعمقون۔(۱)

’’تعمق (کسی چیز کی تہہ تک پہنچنا) کرنے والے ہلاک ہوگئے۔‘‘

اس حدیثِ مبارکہ سے یہ مفہوم اخذ ہوتا ہے کہ گوشہ نشینی میں اس حد تک غلو کرنا کہ کسی کے سلام کا جواب بھی نہ دیا جائے، درست نہیں۔ گوشہ نشینی کا اصل مقصد دنیا سے بے رغبتی، برے خصائل سے کنارہ کشی، تزکیہ نفس، آخرت کی تیاری، احوال کی درستی، قربِ الٰہی کا حصول، عبادت اور ذکر وفکر میں مشغولیت ہے۔ جو لوگ اپنے دل میں دنیا کی خرافات بسائے رکھیں اور اپنے من کی میل کچیل کو صاف کرنے کا سامان نہ کریں، انہیں گوشہ نشینی سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔

امام قشیری علیہ الرحمۃ بیان کرتے ہیں: ’’ایک مرتبہ ایک شخص میرے استاذ ابو علی دقاق علیہ الرحمۃ کے پاس آیا اور کہا: میں بہت دور سے آیا ہوں، اس کے جواب میں انہوں نے فرمایا: ’’تصوف کا دارومدار مسافت طے کرنے پر نہیں اور نہ تکلیف برداشت کرنے پر ہے بلکہ تصوف یہ ہے کہ تو اپنے نفس سے صرف ایک قدم کی مسافت پر الگ ہو جا، تمہیں تمہارا مقصود حاصل ہو جائے گا۔ جو لباس لوگ پہنتے ہیں تو بھی پہن، جو کچھ وہ کھاتے ہیں تو بھی کھا، مگر اپنے باطن کے اعتبار سے ان سے الگ رہ۔‘‘(۲)

شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ’’کچھ لوگوں نے خلوت نشینی کا مقصود سمجھے بغیر بیوی بچوں اور گھر بار کو چھوڑ کر چلہ کشی کے معاملہ میں غلط روش کو اپنا لیا ہے۔ گویا شیطان نے ان کے نفس پر غرور کا دروازہ کھول دیا ہے۔ ان لوگوں نے شاید کہیں سے یہ سن لیا ہے کہ مشائخ عظام اور صوفیاء کرام علیہم الرحمۃ سے خلوت نشینی

(۱) عبد الرزاق، المصنف، ۸: ۴۳۶، رقم: ۱۵۸۲۰

(۲) قشیری، رسالة قشرية، ۱۷۳

کے موقع پر خلافِ عادت عجیب و غریب واقعات ظاہر ہوتے ہیں۔ پس اسی چیز کو حاصل کرنے کے لئے وہ خلوت گزیں ہوتے ہیں۔ لیکن یاد رکھنا چاہیئے کہ جو لوگ فرائض کے مقابلہ میں نوافل کو ترجیح دیتے ہیں وہ دھوکہ میں ہیں چنانچہ بندے کے لئے افضل ترین بات یہ ہے کہ وہ اپنے نفس کو پہچانے اور جن حدود و احکام کا اللہ تعالیٰ نے اسے پابند بنا دیا ہے ان سے تجاوز نہ کرے اور فرائض سے عہدہ براء ہوئے بغیر نوافل میں نہ پڑے کیونکہ جس طرح ایک تاجر کو اصل زر حاصل ہو جانے کے بعد ہی منافع ملتا ہے اسی طرح حقیقی اجر و ثواب بھی اصل احکام و فرائض ادا کرنے کے بعد ہی حاصل ہوتا ہے لہٰذا فرائض کا ترک اور نوافل کی پابندی روحانی بیماری اور تمام تر گمراہی و ضلالت کا باعث ہے۔ حضرت شہاب الدین سہروردی علیہ الرحمۃ مزید فرماتے ہیں: یہ درست ہے کہ صوفیاءِ کرام نے خلوت نشینی اور عزلت گزینی کو محض اپنے باطنی احوال کی حفاظت، اصلاح، نفس کی جستجو اور صرف اللہ تعالیٰ کا حکم بجا لانے کیلئے اختیار کیا تھا۔ اس کے برعکس جو لوگ ادائیگی فرائض کے مقابلہ میں نوافل کو ترجیح دیتے ہیں وہ دھوکہ میں ہیں۔ حضرت شہاب الدین سہروردی علیہ الرحمۃ شیخ ابو عمرو الانماطی علیہ الرحمۃ سے روایت نقل کرتے ہیں: ''ایک عقلمند کے لئے اپنے انجام کا سمجھنا اس وقت تک آسان نہیں جب تک وہ ان امور پر مضبوطی سے قائم نہ ہو جو ابتدائے حال میں اس پر واجب ہیں اور ان باطنی مقامات و مراحل کی اصلاح نہ کرلے جن کی معرفت ضروری ہے اور جن کے ذریعے اسے معلوم ہو سکے کہ ترقی کی منزل طے کر رہا ہے یا تنزل کی۔'' شیخ ابو تمیم مغربی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ''جو شخص خلوت کو جلوت پر ترجیح دے، اس کے لئے ضروری ہے کہ اس کا نفس ذکرِ الٰہی کے علاوہ تمام افکار اور ظاہری اسباب سے خالی ہو جائے، وہ رب کی مراد کے سوا تمام مرادوں کو ترک کر دے۔ اگر اس کی خلوت نشینی ان اوصاف سے متصف نہیں ہے تو اس کی خلوت اسے کسی بلا میں مبتلا کر دے گی یا کسی فتنے میں ڈال دے گی۔''(۱)

(۱) شہاب الدین سہروردی، عوارف المعارف: ۳۶۲

مذکورہ بحث کا ما حاصل ہے کہ نفس کو علائقِ دنیا اور مخلوق کے شر سے محفوظ رکھنے کے لئے خلوت اور کم آمیزی کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔

خلوت نشینی کے فوائد

جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو معصیت کی ذلت سے نکال کر اطاعت گزاری سے سرفراز کرنا چاہتا ہے تو اسے تنہائی سے مانوس کر دیتا ہے، قناعت کی دولت دے کر اسے دولتِ دنیا سے مستغنیٰ بنا دیتا ہے اور اسے نفس کے عیوب دکھا دیتا ہے۔ جسے یہ چیزیں نصیب ہو جائیں اسے دنیا و آخرت کی بھلائی مل جاتی ہے۔

خلوت نشینی سے دنیوی و اخروی دونوں فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ خلوت نشینی کا ادنیٰ فائدہ یہ ہے کہ انسان ہر ایسی برائی سے بچ جاتا ہے جسے وہ نا پسند کرتا ہے۔ اس کے ذریعے دین میں غور و فکر، روح میں طہارت اور عبادت میں استقامت نصیب ہوتی ہے۔ تنہائی میں خیالات کے یکسو ہونے سے باطن کی صفائی، روشن ضمیری، صفائے قلبی، ذکرِ الٰہی کی حلاوت اور پر خلوص عبادت کا ظہور ہوتا ہے نیز ریاکاری، غیبت، بغض و عناد، حسد، جھوٹ، گالی، بداخلاقی اور برے اعمال وغیرہ سے چھٹکارا مل جاتا ہے۔ غفلت دور اور بیداری پیدا ہوتی ہے نیز اللہ تعالیٰ کے ذکر کی کثرت سے مراقبہ بالغیب نصیب ہوتا ہے۔ ذیل میں ان فوائد میں سے چند ایک کا ذکر کیا جاتا ہے۔

۱۔ عبادت اور غور و فکر کے مواقع

خلوت کا سب سے بڑا فائدہ عبادت میں حلاوت، ذکر و فکر میں یکسوئی، معاملہ دین و دنیا اور ملکوت میں اسرارِ الٰہی کا منکشف ہونا ہے کیونکہ ان امور میں مشغولیت فراغت کا تقاضا کرتی ہے اور اختلاط کی صورت میں فراغت میسر نہیں ہوتی۔ پس خلوت گزینی ہی ان امور میں غور و خوض کا وسیلہ ہے۔ کسی بزرگ کا قول ہے ''جو لوگ کتاب اللہ سے تمسک کرتے ہیں وہی اللہ تعالیٰ کے ذکر سے دنیا میں راحت پاتے ہیں، ذکرِ الٰہی کیلئے زندہ

رہتے ہیں اور بلاشبہ آخرکار ذکر کرتے کرتے اللہ تعالیٰ سے جا ملتے ہیں۔‘‘(۱)

امام غزالی علیہ الرحمۃ ایک گوشہ نشین کے بارے روایت نقل کرتے ہیں: ’’حضرت حسن بصری علیہ الرحمۃ سے کہا گیا اے ابو سعید! یہاں ایک آدمی ہے، ہم نے اسے ہمیشہ ستون کے پیچھے تنہا بیٹھے ہوئے دیکھا۔ حضرت حسن بصری علیہ الرحمۃ نے فرمایا: جب تم اسے دیکھو تو مجھے بتانا۔ ایک دن انہوں نے اسے دیکھا تو حضرت حسن بصری علیہ الرحمۃ سے عرض کیا کہ ہم نے آپ کو اس شخص کے بارے میں بتایا تھا یہ سن کر حضرت حسن بصری علیہ الرحمۃ اس کے پاس تشریف لے گئے اور کہا اے بندے! تم لوگوں کے پاس کیوں نہیں بیٹھتے ہو؟ اس شخص نے جواب دیا: میں نعمت اور گناہ کے درمیان صبح اور شام گزارتا ہوں، تاکہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی نعمت پر اس کے شکر اور گناہوں سے استغفار میں مشغول رکھ سکوں۔ حضرت حسن بصری علیہ الرحمۃ نے فرمایا: اے بندۂ خدا! تو میرے نزدیک حسن بصری علیہ الرحمۃ سے بھی زیادہ سمجھدار ہے، اس عمل پر قائم رہنا۔‘‘(۲)

بعض دانا حضرات نے کہا ہے کہ انسان اپنے نفس سے اس لیے وحشت کرتا ہے کہ وہ اپنے آپ میں کوئی فضیلت نہیں دیکھتا، اس وقت وہ لوگوں سے بہت زیادہ ملاقات کرتا ہے اور ان کی دوستی کی وجہ سے اپنے آپ سے وحشت کو دور کرتا ہے لیکن جب اس کی ذات میں کوئی فضیلت آ جاتی ہے تو وہ تنہائی کا طالب ہوتا ہے تاکہ اس کے ذریعے غور وفکر میں مدد حاصل کرے اور علم و حکمت کے موتی نکالے۔ اس صورت میں یہ بہت بڑا فائدہ ہے لیکن یہ بعض ایسے خاص لوگوں کیلئے ہے جنہیں دوام ذکر سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ انس حاصل ہوجائے یا زیادہ غور وفکر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی معرفت نصیب ہو جائے۔ کیونکہ عبادات کی غایت اور معاملات کا نتیجہ یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کا محبّ اور اس کا عارف ہوکر دنیا سے رخصت ہو اور محبت تب ہی حاصل ہوتی ہے جب انس ملے اور انس دائمی ذکر سے حاصل ہوتا ہے، لہٰذا معرفتِ خداوندی کیلئے دائمی فکر کی ضرورت ہے اور ان

(۱) غزالی، إحیاء علوم الدین، ۲: ۲۲۶

(۲) غزالی، إحیاء علوم الدین، ۲: ۲۲۷

دونوں کے لئے دل کا فارغ ہونا ضروری ہے کیونکہ جب تک لوگوں میں میل جول رہے گا فراغت قلبی حاصل نہیں ہو سکتی۔

۲۔ گناہوں سے اجتناب

تنہائی کی وجہ سے آدمی ان گناہوں سے محفوظ رہتا ہے جو عام طور پر میل جول کی وجہ سے سرزد ہوتے ہیں۔ یہ تین گناہ ہیں:

۱۔ غیبت

۲۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر سے اعراض

۳۔ ریا کاری

۱۔ غیبت ایک بہت بڑی لعنت ہے۔ جو نہ صرف اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کا موجب ہے بلکہ انسانی اخلاق کے لیے زہر قاتل بھی ثابت ہوتی ہے۔ بندگان خدا ہمہ وقت اس زُہد شکن گناہ کی ہلاکت خیزی سے بچنے کے لیے صحبت بد سے گریزاں اور قربت صالح کے تمنائی رہتے ہیں۔ گویا کہ خلوت اس لعنت سے بھی حفاظت کا سامان فراہم کرتی ہے۔

۲۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر دین کے اصول میں سے ہے اور یہ واجب ہے۔ قرآن و حدیث میں اس کی تاکید کی گئی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم نے حضور نبی اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

إِنّ النّاسِ إِذَا رَأَوُا الظَّالِمَ فَلَمْ يَأْخُذُوا عَلَى يَدَيْهِ أَوْشَکَ أَنْ يَعُمَّهُمُ اللهُ بِعِقَابٍ۔(۱)

---

(۱) أبوداؤد، السنن، کتاب الملاحم، باب الأمر و النهي، ۴: ۱۰۷، رقم: ۴۳۳۸

”لوگ جب ظالم کو دیکھیں اور اسکے ہاتھ نہ پکڑیں تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں عذاب میں جکڑ لے۔“

ایسا شخص اگر معاشرے کی برائیوں پر خاموش رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے، اگر اعتراض کرتا ہے تو لوگوں کی ایذا رسانی کا مستحق ٹھہرتا اور بے شمار مسائل کا شکار ہوجاتا ہے، پھر ان تکالیف سے چھٹکارا پانے کے لئے بعض اوقات انسان سے ایسے افعال سرزد ہوجاتے ہیں جن کا شمار گناہ اور معصیت میں ہوتا ہے۔ چنانچہ گوشۂ نشینی سے ہی ان حالات کی پیش بندی ممکن ہے۔ لوگوں سے زیادہ سے زیادہ میل ملاپ، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کو ترک کرنے یا پھر بے شمار تکالیف میں مبتلا ہونے کا سبب بن جاتا ہے خلوت نشینی میں اس سے نجات حاصل ہوتی ہے۔

امر بالمعروف کا کام ایک ٹیڑھی دیوار کی طرح ہے جسے آدمی سیدھا کرنا چاہتا ہے لیکن قریب ہے کہ وہ اسی پر گر پڑے اور وہ حسرت و یاس کا شکار ہو جائے۔ لہٰذا تنہائی اختیار کرنا اس وقت درست ہے جب امر بالمعروف کی حدود کو پہنچنا مشکل ہو

۳۔ ریا کاری ایک لا علاج بیماری ہے جس سے بچنا اولیاء علیہم الرحمۃ و صالحین کے لئے بھی بہت مشکل ہے۔ مل جل کر رہنے سے کم ازکم جو بات پیدا ہوتی ہے وہ شوق کا اظہار اور اس میں مبالغہ آرائی ہے نیز دوسروں کے حالات پوچھتے ہوئے شفقت کا اظہار کرنا حالانکہ دل میں ان کی طرف توجہ نہیں ہوتی یہ محض منافقت ہے اور ریا کاری ہے۔ حضرت ابن سیرین علیہ الرحمۃ نے ایک شخص سے پوچھا:

”تمہارا کیا حال ہے؟ اس نے کہا: اس آدمی کا کیا حال ہوگا جس نے پانچ سو درہم قرض دینا ہو اور وہ عیالدار بھی ہو۔ حضرت ابن سیرین علیہ الرحمۃ تشریف لے گئے اور ایک ہزار درہم لا کر اسے دیئے اور فرمایا: پانچ سو سے قرض ادا کر دینا اور پانچ سو سے اپنے اہل وعیال پر خرچ کرنا اور اس وقت ان کے

پاس صرف یہی ایک ہزار درہم تھے پھر فرمایا: آئندہ میں کسی سے حال نہیں پوچھوں گا۔‘‘(۱)

انہوں نے یہ بات اس لیے فرمائی کہ اگر پوچھنے کے بعد حاجت کو پورا نہ کیا جائے تو یہ ریاکاری اور منافقت ہوگی۔ مقصد یہ ہے کہ عام طور پر جب ملاقات ہوتی ہے تو بناوٹ، ریاکاری اور منافقت کی عام اقسام سے خالی نہیں ہوتی یہ تمام باتیں مذموم ہیں بعض حرام ہیں اور کچھ مکروہ جب کہ تنہائی میں ان سب سے خلاصی ہو جاتی ہے۔

یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ لوگوں سے میل جول پر خلوت نشینی کو ترجیح دینا اس شخص کے لیے ضروری ہے ان گناہوں میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو۔

۳۔ فتنوں اور جھگڑوں سے حفاظت

گوشہ نشین فتنوں اور جھگڑوں سے نہ صرف خود محفوظ رہتا ہے بلکہ دین کو بھی محفوظ رکھ سکتا ہے۔ بہت کم بستیاں تعصّبات، فتنوں اور جھگڑوں سے خالی ہوتی ہیں، جبکہ خلوت نشین ان امور سے محفوظ رہتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

’’عنقریب لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ کسی دیندار کا دین محفوظ نہیں ہوگا۔ البتہ وہ شخص جو اپنے دین کے ساتھ ایک پہاڑ سے دوسرے پہاڑ پر اور ایک سوراخ سے دوسرے سوراخ میں جائے۔ عرض کیا گیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ایسا کب ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس وقت معیشت کا حصول اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے بغیر نہیں ہوگا۔ انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ کس طرح ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب ایسا زمانہ آئے گا تو آدمی کی ہلاکت اس کے والدین کے ہاتھوں ہوگی، اگر اس کے ماں باپ نہیں ہوں گے تو بیوی کے

(۱) غزالی، إحياء علوم الدين، ۲: ۵۳۰

ہاتھوں تباہی ہو گی، اگر یہ بھی نہیں ہوں گے تو رشتہ داروں یا پڑوسیوں کے ہاتھوں ہو گی۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ کیسے ہو گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا وہ اسے تنگدستی کا طعنہ دیں گے تو وہ طاقت سے بڑھ کر عمل کرے گا حتی کہ اس طرح وہ ہلاکت والے مقامات میں چلا جائے گا۔‘‘(۱)

لہٰذا تنہائی کے فوائد میں سے ایک بہت بڑا فائدہ فتنوں اور تنازعوں سے رہائی پانا ہے۔

۴۔ لوگوں کے شر سے حفاظت

ایک فائدہ یہ ہے کہ خلوت نشین لوگوں کے شر سے محفوظ رہتا ہے کیونکہ بعض اوقات لوگ غیبت کے ذریعے ایذا پہنچاتے ہیں، کبھی بدگمانی اور تہمت کے ذریعے اور کبھی اس قسم کے مطالبات اور سوالات کرتے ہیں جسے پورا کرنا مشکل ہوتا ہے۔ چغلی کھانے اور جھوٹ بولنے والوں سے اس کا واسطہ پڑتا ہے۔ ان حالات میں خلوت اختیار کرنے میں ہی نجات و عافیت ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ’’گوشہ نشینی میں برے ساتھیوں سے نجات مل جاتی ہے۔‘‘(۲)

امام غزالی علیہ الرحمۃ ’’إحیاء علوم الدین‘‘ میں اس حوالے سے صوفیاء کرام کے درج ذیل چند اقوال نقل فرماتے ہیں:

۱۔ حضرت ابن سماک علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ’’ہمارے ایک دوست نے ہمیں خط لکھا جس میں حمد و صلوۃ کے بعد لکھا کہ (کسی زمانے میں) لوگ دوا تھے جن کے ذریعے علاج کیا جاتا تھا۔ اب وہ ایسی بیماری بن گئے ہیں جس کی کوئی دوا نہیں

(۱) منذری، التّرغیب التّرهیب، ۳: ۴۴۴، رقم: ۱۶

(۲) أحمد بن حنبل، الزهد، ۱: ۴۸، رقم: ۸۵ بحواله إحياء علوم الدين، ۲: ۲۳۴

۔لہٰذا ان سے اس طرح بھاگو جس طرح شیر سے بھاگتے ہو۔“

۲۔ حضرت حسن بصری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ”میں نے حج کا ارادہ کیا تو حضرت ثابت بنانی علیہ الرحمۃ کو اس بات کا علم ہوگیا۔ انہوں نے فرمایا: مجھے معلوم ہوا کہ آپ حج کے لئے جانا چاہتے ہیں۔میں بھی آپ کے ساتھ جانا چاہتا ہوں۔حضرت حسن علیہ الرحمۃ نے فرمایا: چھوڑیئے ہمارے ساتھ نہ جائیں ہم لوگ اللہ تعالیٰ کی پردہ پوشی میں رہتے ہیں۔ جب اکٹھے ہونگے تو ایک دوسرے سے ایسے کام دیکھیں گے جو بغض وفساد کا باعث ہونگے۔“

۳۔ حضرت سفیان بن عیینہ علیہ الرحمۃ بیان کرتے ہیں ”حضرت سفیان ثوری علیہ الرحمۃ نے اپنی زندگی میں حالت بیداری میں اور وفات کے بعد خواب میں مجھ سے فرمایا: لوگوں سے جان پہچان نہ رکھو۔ کیونکہ ان سے بچنا مشکل ہے اور میرے خیال میں مجھے جو بھی برائی پہنچی ہے وہ جان پہچان والوں سے پہنچی ہے۔“

۴۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور لوگوں سے بچو۔ کیونکہ وہ اونٹ کی پیٹھ پر سوار ہوتے ہیں تو اسے زخمی کردیتے ہیں اور کسی مومن کے دل میں داخل ہوتے ہیں تو اسے خراب کرکے رکھ دیتے ہیں۔“

۵ ایک بزرگ نے فرمایا: ”لوگوں سے جان پہچان کم رکھو، اس سے تمہارا دین اور دل نہایت محفوظ ہوں گے اور حقوق ہلکے پھلکے رہیں گے۔ جب جاننے والے زیادہ ہوں تو حقوق زیادہ ہوتے ہیں اور ان کی ادائیگی مشکل ہو جاتی ہے۔“

ایک اور بزرگ نے فرمایا: ”جس کو جانتے ہو اس سے اجنبی بن اور جس کو نہیں جانتے اس سے تعارف پیدا نہ کر۔“(۱)

ان اقوال سے معلوم ہوا کہ خلوت نشینی لوگوں کے شر سے محفوظ رہنے کا بہترین ذریعہ ہے۔

(۱) غزالی، إحیاء علوم الدین، ۲: ۲۳۴

۵۔ لالچ اور طمع کا خاتمہ

دنیا کی زیب و زیبائش اور زینت سے انسان کی حرص بڑھتی ہے جس کے حصول میں وہ عام طور پر نامراد ہوتا ہے اور یوں اسے تکلیف پہنچتی ہے۔ لیکن گوشہ نشین دنیا کی زینت کو نہیں دیکھتا۔ اس کی طرف دیکھنے سے بھی خواہش پیدا نہیں ہوتی اور جب خواہش نہیں ہوگی تو طمع بھی نہیں ہو گی۔ اسی کے متعلق ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيۡنَيۡکَ اِلٰی مَا مَتَّعۡنَا بِهٖۤ اَزۡوَاجًا مِّنۡهُمۡ زَهۡرَةَ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا۔(۱)

’’اور آپ دنیوی زندگی میں زیب و آرائش کی ان چیزوں کی طرف حیرت و تعجب کی نگاہ نہ فرمائیں جو ہم نے (کافر دنیاداروں کے) بعض طبقات کو (عارضی) لطف اندوزی کے لئے دے رکھی ہیں۔‘‘

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

إِذَا نَظَرَ أَحَدُكُمْ إِلَى مَنْ فُضِّلَ عَلَيْهِ فِي الْمَالِ وَالْخَلْقِ، فَلْيَنْظُرْ إِلَى مَنْ هُوَ أَسْفَلَ مِنْهُ مِمَّنْ فُضِّلَ عَلَيْهِ۔(۲)

’’جب تم میں سے کوئی شخص اُس شخص کی طرف دیکھے جس کو اِس پر مال اور شکل وصورت میں فضیلت حاصل ہو تو اسے چاہیے کہ وہ اپنے سے کم درجہ والے کی طرف دیکھے جس پر اس کو فضیلت حاصل ہو۔‘‘

حضرت عون بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ’’میں ابتدا میں مالدار لوگوں کے پاس بیٹھتا تھا تو ہمیشہ غم زدہ رہتا، ان کے کپڑوں کو اپنے کپڑوں سے اچھا اور ان کی سواری کو

(۱) طٰہ، ۲۰: ۱۳۱

(۲) مسلم، الصحیح، کتاب الزهد و الرقائق، ۴: ۲۲۷۵، رقم: ۲۹۶۳

اپنی سواری سے اچھا دیکھتا۔ پھر میں نے فقراء کے پاس بیٹھنا شروع کیا تو اب میں آرام اور سکون میں ہوں۔‘‘(۱)

روایات میں منقول ہے کہ ’’حضرت مزنی علیہ الرحمۃ فسطاط کی جامع مسجد سے نکلے تو آگے سے ابن عبدالحکم اپنے ساتھیوں کے ہمراہ آ رہا تھا۔ انہوں نے اس کا اچھا حال دیکھا تو یہ آیت کریمہ پڑھی:

وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً ط أَتَصْبِرُونَ۔ (۲)

’’اور ہم نے تم کو ایک دوسرے کے لئے آزمائش بنایا ہے، کیا تم (آزمائش پر) صبر کرو گے؟‘‘

پھر انہوں نے فرمایا ہاں کیوں نہیں میں صبر کرتا ہوں اور راضی ہوں۔ (۳)

اس سے پتا چلا کہ ان تمام فتنوں سے بچنے کا واحد ذریعہ کم آمیزی اور لوگوں کے ساتھ میل جول میں اعتدال کی روش اختیار کرنا ہے۔

خلوت نشینی کے روحانی فیوض و برکات

خیالات کے یکسو ہونے سے خلوت نشین کا باطن صاف ہو جاتا ہے۔ اس صفائے قلب و باطن سے روشن ضمیری پیدا ہوتی ہے، ذکرِ الٰہی میں حلاوت اور عبادات میں اخلاص کا ظہور ہوتا ہے۔ کبھی کبھار اللہ تعالیٰ کے مخلص بندوں سے خلافِ عادات کشف و کرامات کا بھی صدور ہوتا ہے اور مستقبل کے بارے میں ان پر بعض باتیں ظاہر ہو جاتی ہیں اور بعض نہیں ہوتیں۔ یہ وہ حضرات ہیں جن کو کشف عطا ہو جاتا ہے اور اس خصوصیت

(۱) غزالی، إحياء علوم الدين، ۲: ۲۳۵

(۲) الفرقان، ۲۵: ۲۰

(۳) غزالی، إحياء علوم الدين، ۲: ۲۳۵

کی بدولت ان کے ایمان میں مزید پختگی پیدا ہو جاتی ہے اور وہ خلوصِ دل سے مزید ریاضات، زہد وتقوی اور افعالِ حسنہ میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ خلوت نشینی کے دوران بعض حضرات کا باطن یقینِ کامل کی بدولت بالکل صاف ہو جاتا ہے۔ اس وقت ان کی ایسی حالت ہوجاتی ہے جیسے ایک بزرگ کا قول ہے کہ ''میرے قلب نے اپنے پروردگار کا مشاہدہ کیا۔'' گویا صفائے باطن سے وہ مشاہدہ حق کرتے ہیں۔ بعض لوگ مجاہدہ، ریاضت و مشقت کی بدولت مثلاً نماز، روزہ، نوافل، تلاوتِ قرآن اور مقررہ وقت پر اذکار و اوراد کے فیضان سے اس مقام تک پہنچتے ہیں اور بعض لوگ ایسے ہیں کہ صرف ایک ذکر ہی کی بدولت ان کو مشاہدۂ حق حاصل ہو جاتا ہے اور بعض کو پنجگانہ نماز اور سننِ مؤکدہ کی ادائیگی کے بعد باقی اوقات میں ذکر میں ہی مشغول رہنے کے باوجود مشاہدہ حق نہیں ہوتا۔ یہ اللہ کی عطا ہے جسے چاہے نواز دے اور جسے چاہے محروم رکھے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس مخلص اور عبادت گزار بندے پر کمالِ انس و محبت اور ذکر کی حلاوت سے خود فراموشی کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ اس وقت حقائق کی تجلیات خواب کی طرح تخیل کے لباس اور پیرائے میں نظر آتی ہیں۔ مثلاً کوئی شخص خواب میں یہ دیکھے کہ اس نے سانپ کو مار ڈالا ہے۔ اس خواب کی تعبیر یہ ہوگی کہ خواب دیکھنے والا اپنے دشمن پر غالب آ جائے گا اور کشف کے ذریعے حق تعالیٰ نے اس کو ایک مخفی حقیقت سے آگاہ کر دیا۔

کبھی کبھار یوں بھی ہوتا ہے کہ خلوت نشیں کے تصور سے ایک ایسا خیال ابھرتا ہے جس کی کچھ حقیقت نہیں ہوتی۔ نہ وہ اس لائق ہوتا ہے کہ اس کی طرف توجہ کی جائے۔ کیونکہ وہ فقط خیال ہے کوئی واقعہ نہیں ہے اور کبھی اس پر حقائق بغیر تمثیل کے ہی منکشف ہو جاتے ہیں۔ ایسے احوال کو کشف وخبرِ الٰہی سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس کا حصول کبھی مشاہدہ کی بنا پر ہوتا ہے اور کبھی محض سماعت سے، کبھی اس خبر کو کوئی اپنے باطن سے سنتا ہے اور کبھی ہوا کی حرکت سے محسوس کر لیتا ہے۔ ان تمام صورتوں میں کبھی وہ اپنے بارے میں آگاہ ہوجاتا ہے اور کبھی کسی دوسرے شخص کے سلسلہ میں آگاہ کر دیا جاتا ہے،

اس کے علاوہ کشف کی ایک صورت یہ ہوتی ہے کہ خواب میں بعینہ کسی چیز کی حقیقت کا مشاہدہ ہو جاتا ہے کثرتِ ریاضت و مجاہدہ نفس کو کمزور کر دیتا ہے۔ کثرتِ رقت و گریہ زاری نفس کی تمام آلائشوں کو دھو دیتی ہے اور رفتہ رفتہ انسان خصائلِ نفس سے رہائی حاصل کر لیتا ہے۔ جب انسان اپنی خصائلِ نفسانی سے جدا ہو جاتا ہے تو اسے اپنے محبوب و مطلوب کی جلوت نصیب ہو جاتی ہے اور وہ اپنے من کی مراد پا لیتا ہے۔[1]

کثرتِ اِختلاط اور صوفیاء کرام علیھم الرحمۃ کے اقوال

اختلاط (میل جول) کے حوالے سے سلفِ صالحین رضی اللہ عنہم کا معمول یہ تھا کہ وہ مصلحت شریعہ کے بغیر لوگوں کے ساتھ میل جول نہیں رکھتے تھے۔ اگر کسی دن انہیں کوئی شخص نہ ملتا تو اسے عید کا دن تصور کرتے تھے اور ان کے نزدیک لوگوں سے بکثرت میل جول رکھنے والا زمرۂ اسلاف سے خارج ہو جاتا ہے اور اسے اس طرح کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔

۱۔ امام شعرانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ”میں جب کبھی بھی اس زمانہ کے مشائخ میں سے کسی کی ملاقات کو گیا ہوں تو بہت کم ایسا ہوا ہے کہ وہ مجلس غیبت سے خالی رہی، لہٰذا میں نے اپنے اور دین کے خوف سے ان سے ملاقات کم کر دی۔ پس اس زمانے میں اگر کوئی شخص کسی کی ملاقات کو جائے تو اسے چاہئے کہ اپنے نفس کی پوری پوری حفاظت کرے اور اس پر ہرگز سستی نہ کرے۔

۲۔ امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے تھے ”عزلت کا مزہ چکھا کرو۔“

۳۔ حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے ”جو شخص چاہتا ہے کہ لوگ اس کے عیوب سے کم واقف ہوں، وہ اپنے گھر میں بیٹھا رہے۔ جو شخص لوگوں سے بکثرت ملے گا اس کا دین ضائع ہو جائے گا اور اسے خبر تک نہ ہوگی۔“

(۱) شہاب الدین، سہروردی، عوارف المعارف، ۱: ۳۶۳۔۳۶۷

۴۔ حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ فرماتے تھے۔ ''میں چاہتا ہوں کہ اپنے گھر کا دروازہ بند کر دوں اور مرتے دم تک کسی کو نہ ملنے جاؤں۔''

۵۔ امام شعبی علیہ الرحمۃ فرماتے تھے۔ ''ربیع بن خثیم علیہ الرحمۃ اپنی قوم کی مجلس میں ساری عمر میں سوائے ایک مرتبہ کبھی نہیں بیٹھے۔ ایک دفعہ آپ گھر کے دروازہ میں بیٹھے تھے کہ ایک پتھر گرا جس سے آپ کا سر زخمی ہو گیا۔ لیکن مارنے والے کا پتہ نہ چلا۔ آپ علیہ الرحمۃ کھڑے ہو گئے اور کہا: اے ربیع! تجھے نصیحت کی گئی ہے، اس کے بعد آپ علیہ الرحمۃ مرتے دم تک گھر سے باہر بغیر ضرورت کے نہ نکلے۔

۶۔ حضرت ابو حازم علیہ الرحمۃ فرماتے تھے۔ ''جو شخص اپنے دوست سے بکثرت ملاقات کرے۔ اسے کہہ دو کہ ان دونوں میں سے ایک سے ایسی بات ضرور ہو گی جو دوسرے کو ناپسند ہو۔ لہٰذا ہر دوست کے لیے مناسب ہے کہ اپنے دوست سے ناغہ کر کے ملا کرے۔''

۷۔ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''عنقریب ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ قتل و جبر کے بغیر بادشاہت قائم نہ ہو گی اور بخل کے بغیر غنا نہ ہو گا۔ اور اتباعِ خواہش کے بغیر لوگوں کی صحبت نہ ہو سکے گی۔ پس جس شخص پر یہ زمانہ آئے اور وہ صبر اور حفاظت نفس کرے تو اللہ تعالیٰ اسے پچاس صدیقین کا ثواب دے گا۔''

۸۔ حضرت فضیل بن عیاض علیہ الرحمۃ کو معلوم ہوا کہ ان کے فرزند علی نے کہا: ''میں ایک ایسے مکان میں رہنا چاہتا ہوں جس میں سے میں لوگوں کو دیکھوں اور لوگ مجھے نہ دیکھیں۔ آپ علیہ الرحمۃ نے فرمایا: اس نے دعا کو پورا کیوں نہ کیا، یوں کہا ہوتا میں لوگوں کو نہ دیکھوں اور لوگ مجھے نہ دیکھیں''۔

۹۔ حضرت رہیب بن درد علیہ الرحمۃ نے فرمایا: ''میں نے پچاس سال تک لوگوں سے میل جول رکھا۔ لیکن کسی نے میری غلطی معاف نہیں کی اور نہ میری لغزش سے درگزر کیا۔ جب کبھی ان میں سے کوئی مجھ سے ناراض ہوا تو مجھے اس سے اپنی جان کو

امن نہیں ملا۔‘‘

۱۰۔ حضرت حاتم اصم علیہ الرحمۃ فرماتے تھے۔ ’’لوگوں کو آگ تصور کرو اور ان کے پاس مت جاؤ۔ اور جب ان کے پاس جاؤ تو ان سے ایسے ڈرو جیسے آگ کے قریب جانے سے ڈرتے ہو۔‘‘

۱۱۔ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ فرماتے تھے۔ ’’جو شخص لوگوں سے میل جول رکھے وہ اس کے دل کو ضرور بگاڑ کر رکھ دیں گے۔‘‘

۱۲۔ حضرت جعفر بن حمید علیہ الرحمۃ فرماتے تھے۔ ’’بے شک لوگوں پر تیرا حق ہے اور لوگوں کا تجھ پر پس ایک دوسرے سے ڈرتے رہو۔‘‘

۱۳۔ حضرت ابراہیم بن ادھم علیہ الرحمۃ سفر میں تھے جب واپس آئے تو لوگوں نے سلیمان خواص سے کہا: کیا آپ ان کی ملاقات کو نہیں گئے؟ آپ نے فرمایا: نہیں، ڈرتا ہوں کہ کہیں ان سے مل کر چکنی چپڑی باتیں نہ کروں اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈال لوں۔‘‘

۱۴۔ حضرت حسن بن صالح علیہ الرحمۃ فرماتے تھے۔ ’’ہم نے ایسے لوگ دیکھے ہیں جو دور سے دوستی رکھتے تھے اور ملاقات کو برا جانتے تھے۔‘‘

۱۵۔ حضرت عبداللہ بن عباس علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ ’’آدمی کا اپنے گھر کے اندر بیٹھے رہنا اچھا ہے۔ تاکہ لوگ اسے نہ دیکھیں اور وہ لوگوں کو نہ دیکھے۔‘‘

۱۶۔ حضرت سفیان ثوری علیہ الرحمۃ فرماتے تھے۔ ’’واللہ! آج کل لوگوں سے علیحدہ رہنا حلال ہے۔ (میں کہتا ہوں) حلال بمعنٰی واجب ہے۔ جیسا کہ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث مبارکہ میں آیا ہے: حَلَّتْ لَهُ شَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ (اس کے لئے قیامت کے روز میری شفاعت حلال ہوگئی)[1] یعنی اس کے

(۱) ا۔ بخاری، الصحیح، کتاب الأذان، باب الدعاء عند النداء، ۱: ۲۲۲، رقم: ۵۸۹

لئے میری شفاعت واجب ہو چکی۔“

۱۷۔ حضرت ابو سفیان علیہ الرحمۃ فرماتے تھے۔”تم لوگوں سے علیحدہ رہنے کی کوشش کرو کیونکہ وہ عقلوں کے چور ہیں۔“

۱۸۔ حضرت ابوبکر وراق علیہ الرحمۃ فرماتے تھے”جب تک تم لوگوں سے ملنا نہ چھوڑو اللہ تعالیٰ سے محبت کی آرزو نہ کرو۔ جب تک تم ظالموں سے ملتے جلتے رہو اللہ تعالیٰ کی رضا کے خواہش مند نہ رہو۔ جب تک تم دنیا کے طالب ہو، اللہ کی اپنے ساتھ محبت کا طمع نہ کرو۔جب تک تم یتیم پر سختی کرتے ہو، اپنے دل کی نرمی کے طالب نہ بنو۔“

۱۹۔ حضرت داوٗد طائی علیہ الرحمۃ جب لوگوں سے علیحدہ ہو گئے تو آپ کے دوستوں نے اس پر ملامت کی، آپ نے فرمایا ”میں لوگوں سے ایسے وقت علیحدہ ہوا ہوں جب میں نے دیکھا کہ چھوٹا بڑے کی عزت نہیں کرتا۔اور دوست کو دیکھا کہ میرے عیوب شمار کرتا ہے تاکہ جب مجھ سے ناراض ہو تو ان سے میری ہجو کرے۔“

۲۰۔ حضرت بشیر بن منصور علیہ الرحمۃ فرماتے تھے: ”لوگوں سے واقفیت کم کرنے کی کوشش کر، کیونکہ تجھے معلوم نہیں کہ کبھی تیری ذلت کا کوئی واقعہ پیش آ جائے۔ پس اس وقت بہت کم لوگ تجھ سے واقف ہوں گے۔“

۲۱۔ حضرت مکحول علیہ الرحمۃ فرماتے: ”لوگوں کی صحبت میں اگر کچھ نیکی بھی ہو تو ان سے کنارہ کشی کرنے میں دین کی زیادہ سلامتی ہے۔“

۲۲۔ حضرت سفیان بن عیینہ علیہ الرحمۃ فرماتے: ”میں نے حضرت ابراہیم بن ادھم علیہ الرحمۃ کو شام میں دیکھا تو کہا: اے ابو اسحاق علیہ الرحمۃ! آپ نے خراسان کو چھوڑ دیا تھا پھر بھی یہاں بیٹھے ہیں۔ انہوں نے کہا: ہاں میری زندگی یہیں پر آرام سے گزرتی معلوم ہوتی ہے۔میں اپنے دین کو لے کر کو بکو پھرتا ہوں، اس لیے جو کوئی مجھے دیکھتا

ہے وہ مجھے ملاّح، شتربان یا پاگل سمجھتا ہے۔‘‘

۲۳۔ حضرت حماد بن زید علیہ الرحمۃ فرماتے تھے: ’’میں مالک بن دینار علیہ الرحمۃ کی ملاقات کو گیا، میں نے دیکھا کہ ان کے سامنے ایک کتا بیٹھا ہے۔ میں نے اسے ہٹانا چاہا تو انہوں نے فرمایا: اے حماد جانے دو یہ اس ہم نشین سے اچھا ہے جو میرے پاس لوگوں کی غیبت کرے۔‘‘

۲۴۔ حضرت عبداللہ بن مبارک علیہ الرحمۃ جب بصرہ سے بغداد آئے تو انہوں نے محمد بن واسع علیہ الرحمۃ کا پتا دریافت کیا۔ مگر آپ کو کوئی نہیں جانتا تھا۔ آپ نے فرمایا: یہ آپ کی بزرگی کی علامت ہے کہ آپ کو کوئی نہیں جانتا۔ چنانچہ وہ آپ کے ساتھ زیادہ محبت و تعظیم کے ساتھ پیش آنے لگے۔‘‘

۲۵۔ حضرت فضیل بن عیاض علیہ الرحمۃ فرماتے تھے: ’’آدمی کی بکثرت واقفیت اس کی قلتِ عقل کا باعث ہے۔‘‘

۲۶۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز علیہ الرحمۃ سے کسی نے کہا: ’’آپ لوگوں میں کیوں نہیں بیٹھتے۔ آپ نے جواب دیا۔ مجھے اتنی فرصت نہیں۔‘‘

۲۷۔ حضرت فضیل بن عیاض علیہ الرحمۃ فرماتے تھے: اسلاف عزلت اور تنہائی اس لیے اختیار کرتے تھے کیونکہ اس سے غفلت دور اور بیداری پیدا ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ سے بکثرت مراقبہ بالغیب ہوتا ہے۔ آپ علیہ الرحمۃ نے یہ بھی فرمایا: ’’بخدا میں کسی شخص کو ملوں اور وہ مجھے سلام نہ کرے تو میں اس کا احسان سمجھتا ہوں، یہی کیفیت اس وقت ہوتی ہے، جب میں بیمار ہوتا ہوں اور کوئی میری عیادت کو نہ آئے۔‘‘

خلوت نشینی کے حوالے سے سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ صوفیاء کرام کے درج ذیل احوال بیان کرتے ہیں:

۲۸۔ حضرت بشر حافی علیہ الرحمۃ نے فرمایا: ’’یہ زمانہ خاموش رہنے اور گوشہ نشینی اختیار کرنے کا ہے۔‘‘

۲۹۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جب مقام عقیق میں اپنے محل میں گوشہ نشین ہو گئے تو ان سے پوچھا گیا۔ آپ رضی اللہ عنہ کیوں بازاروں میں اور مجلسوں میں آنا جانا چھوڑ کر خلوت نشین ہو گئے؟ انہوں نے فرمایا: ''میں نے بازاروں میں بیہودہ بکواس اور مجلسوں میں لہو ولعب دیکھا تو میں نے اپنے گھر میں گوشہ نشینی ہی میں خیر و عافیت پائی۔''

۳۰۔ حضرت شعبی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ''لوگ ایک طویل مدت تک اپنی اسلامی زندگی کا ڈھونگ رچاتے رہے حتی کہ دین ان سے نکل گیا۔ پھر مروت کے ساتھ زندگی بسر کرنے لگے حتی کہ مروت بھی جاتی رہی پھر شرم کے ساتھ زندگی بسر کرنے لگے حتی کہ شرم بھی ختم ہو گئی۔ پھر خوف و رجا کے ساتھ زندگی بسر کرنے لگے۔ میرا گمان ہے کہ اس کے بعد اس سے بھی خطرناک زمانہ آنے والا ہے۔''

۳۱۔ ایک حکیم فرمایا کرتے تھے ''عبادت کے دس حصوں میں نو حصے خاموشی کے ہیں اور ایک گوشہ نشینی کا ہے۔ میں اپنے نفس کو بہلا پھسلا کر خاموشی پر آمادہ کرتا رہا، مگر اسے قابو میں نہ کر سکا۔ آخر میں نے خلوت نشینی اختیار کر لی اور اسی خلوت کی برکت سے میں نے باقی نو حصے بھی پا لیے۔ انہوں نے یہ بھی فرمایا: قبر سے زیادہ کوئی واعظ نہیں، کتاب سے زیادہ کوئی مونس نہیں اور خلوت سے زیادہ کوئی چیز سلامتی والی نہیں۔''(۱)

مذکورہ بالا بحث سے یہ نتیجہ اخذ ہوا کہ میل جول کی کثرت درست نہیں۔ اس میں اعتدال ضروری ہے۔ انسان کو مخلوقِ خدا سے میل جول اس حد تک رکھنا چاہئے کہ اس کے لئے حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی میں کوئی رکاوٹ نہ ہو۔ لیکن جن لوگوں پر عوام کی فلاح وبہبود کی ذمہ داری ڈال دی جائے ان کا عوام سے میل جول رکھنا، ان کے مسائل سے واقف ہو کر انہیں حل کرنا بھی شاملِ عبادت ہے۔

(۱) عبد القادر جیلانی، غنیۃ الطالبین، ۱: ۹۲۔ ۹۳

لوگوں سے میل جول کس حد تک درست ہے؟

خلوت اصل بنیاد ہے اور میل جول عارضی ہے۔ لہٰذا اصل بنیاد کو پکڑنا چاہیے۔ اور صرف بقدر ضرورت لوگوں سے میل جول رکھنا چاہیے۔ کیونکہ کثرت کے ساتھ لوگوں سے میل جول رکھنا مقصودِ حق سے دوری کا باعث بنتا ہے اور مکمل طور پر لوگوں سے الگ رہنا رہبانیت ہے جبکہ اسلام میں رہبانیت نام کی کسی شے کا وجود نہیں۔ قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَرَهْبَانِيَّةَنِ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ج فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ ج وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَo(۱)

’’اور رہبانیت (یعنی عبادتِ الٰہی کے لئے ترکِ دنیا اور لذّتوں سے کنارہ کشی) کی بدعت انہوں نے خود ایجاد کر لی تھی، اسے ہم نے اُن پر فرض نہیں کیا تھا، مگر (انہوں نے رہبانیت کی یہ بدعت) محض اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے (شروع کی تھی) پھر اس کی عملی نگہداشت کا جو حق تھا وہ اس کی ویسی نگہداشت نہ کر سکے (یعنی اسے اسی جذبہ اور پابندی سے جاری نہ رکھ سکے)، سو ہم نے اُن لوگوں کو جو ان میں سے ایمان لائے (اور بدعتِ رہبانیت کو رضائے الٰہی کے لئے جاری رکھے ہوئے) تھے، اُن کا اجر وثواب عطا کر دیا اور ان میں سے اکثر لوگ (جو اس کے تارک ہوگئے اور بدل گئے) بہت نافرمان ہیںo‘‘

حدیث مبارکہ میں ایک واقعہ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ سے متعلق بیان ہوا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بہت عبادت گزار اور راہبانہ زندگی بسر کرنے والے تھے۔ ایک دن

(۱) الحدید، ۵۷: ۲۷

www.MinhajBooks.com

ان کی بیوی خولہ بنت حکیم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئیں، تو انہوں نے دیکھا کہ وہ ہر طرح کے زنانہ بناؤ سنگھار سے عاری ہیں۔ پوچھا کہ کیا سبب ہے؟ بولیں کہ میرے شوہر دن بھر روزہ رکھتے ہیں، رات بھر نمازیں پڑھتے ہیں۔ میں سنگھار کس کے لئے کروں؟ جب آپ ﷺ تشریف لائے تو حضرت عائشہ نے قصہ بیان کیا۔ اس پر حضور نبی اکرم ﷺ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور اُن سے فرمایا:

يَا عثمانُ إِنَّ الرَّهْبَانِيَّةَ لَمْ تُكْتَبْ عَلَيْنَا، أَمَا لَكَ فِيَّ أُسْوَةٌ۔(۱)

”اے عثمان رہبانیت ہمارے اوپر فرض نہیں کی گئی۔ کیا میری ذات میں تمہارے لئے نمونہ نہیں۔“

اس واقع سے معلوم ہوا کہ رہبانیت نام کی کوئی چیز اسلام میں داخل نہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

وَ اللهِ إِنِّي لَأَخْشَاكُمْ لِلّٰهِ وَ أَتْقَاكُمْ لَهُ، لٰكِنِّي أَصُومُ وَأُفْطِرُ، وَ أُصَلِّي وَ أَرْقُدُ، وَ أَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ، فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي۔(۲)

”اللہ کی قسم! میں تمہاری نسبت اللہ تعالیٰ سے زیادہ ڈرنے والا اور پرہیز گار ہوں، لیکن میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں، نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور میں عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔ پس جو میری

---

(۱) ۱۔ طبرانی، المعجم الكبير، ۹: ۳۸، رقم: ۸۳۱۹

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۶: ۲۲۶، رقم: ۲۵۹۳۵

(۲) ۱۔ بخاری، الصحيح، كتاب النكاح، باب الترغيب في النكاح، ۵: ۱۹۴۹، رقم: ۴۷۷۶

۲۔ نسائی، السنن، كتاب النكاح، باب النهي عن التبتل، ۳: ۴۶، رقم: ۳۲۱۷

سنت سے روگردانی کرے گا وہ میرے طریقے پر نہیں۔‘‘

گویا قرآن و سنت میں اعتدال کی راہ ہی دین ہے جسے اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

یہ امر مسلمہ ہے کہ اسلام زندگی کے ہر شعبے میں عدل و انصاف اور میانہ روی دیکھنا چاہتا ہے۔ شدت اور انتہا پسندی جہاں بھی اور جس معاملے میں بھی ہوگی اس کا انجام انتہائی خطرناک، مہلک اور عبرتناک ہوگا۔ اس لئے دین فطرت ہمیں انفرادی، اجتماعی اور بین الاقوامی سطح کے جملہ معاملات میں توازن و اعتدال برقرار رکھنے کا سختی سے حکم دیتا ہے۔

امت مسلمہ کو امتِ وسط بھی اسی لئے کہا جاتا ہے کہ باری تعالیٰ نے اس کو وہ وقار اور کردار عطا کیا ہے جو توسط و اعتدال پر مبنی ہے۔ اس ضمن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ۔[1]

’’اور (اے مسلمانو!) اسی طرح ہم نے تمہیں (اعتدال والی) بہتر امت بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو۔‘‘

اس آیہ کریمہ میں باری تعالیٰ نے امتِ محمدی ﷺ کو امتِ وسط کا خطاب عطا فرمایا ہے یعنی ایسی امت جو راہِ اعتدال پر چلنے والی ہو۔ جو راہِ حیات پر چلتے ہوئے ہر معاملے میں توازن کو برقرار رکھے اور صراطِ مستقیم سے ادھر ادھر نہ بھٹکے۔ جس طرح ایک ترازو کے دو پلڑے ہوتے ہیں۔ کوئی پلڑا ایک طرف نہیں جھکتا، بعینہٖ یہ امت بھی متوسط رہتے ہوئے اعتدال و توازن کو قائم رکھتی ہے۔ یہی سبب ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی امت کو عالمِ انسانیت میں وہ کردار تفویض کیا گیا ہے جو اسے مرکزیت عطا کرتا ہے۔

لہٰذا جو شخص اپنے اوقاتِ زندگی کو اللہ تعالیٰ کے ذکر و فکر اور عبادت نیز حصولِ علم میں گزارنا چاہتا ہو اور وہ سمجھتا ہو کہ اگر میں لوگوں میں گھل مل کر رہوں گا تو میرا وقت

(۱) البقرۃ، ۲: ۱۴۳

ضائع ہو جائے گا، پریشانیاں زیادہ ہونگی اور عبادت میں خلل واقع ہوگا، علمی و دینی مشاغل متاثر ہوں گے، ایسے شخص کے لئے گوشہ نشینی اختیار کرنا بہتر ہے لیکن جو شخص خلوت میں اپنے نفس، اخلاق اور باطنی صفات کا محاسبہ کرنے پر قادر نہ ہو اور تنہائی میں رذائلِ اخلاق کو دور کرنے سے قاصر ہو۔ ایسے شخص کے لئے خلوت نشینی اختیار کرنے کی بجائے بزرگوں کی صحبت میں رہنا ہی باعث نجات ہے کیونکہ ادب سیکھنے اور دوسروں کو علم و ادب سکھانے کے لئے اللہ رب العزت کے محبوب و مقرب بندوں سے ملنا اور ان کی مجلس میں رہنا سود مند ہو ہے کیونکہ ایسا میل جول نہ صرف دنیا میں فائدہ مند ہوگا بلکہ آخرت میں بھی ذریعہ نجات ثابت ہوگا۔ یہ بات اس شخص کے حق میں گوشہ نشینی سے بہتر ہے جو ابھی تک اپنے اخلاق کو مہذب نہیں بنا سکا اور اس کی خواہشات حدودِ شرع کے تابع نہیں ہوئیں۔ اس کے لئے صوفیاء کرام کی صحبت میں رہنا فائدہ مند ہوگا۔ یہ سوال کہ کامل مرشد کی پہچان کیونکر کی جا سکتی ہے؟ اس کے لئے آپ مختلف محافل میں جائیں، دیکھیں اور غور کریں کہ جس مجلس یا محفل میں بیٹھنے سے آپ کا ایمان تازہ ہو جائے جس کو دیکھ کر اللہ یاد آ جائے وہی مردِ حق ہے اور ولایت کے مقام پر فائز ہے۔ ایسے اللہ والوں کی صحبت میں بیٹھنا محض بدنی عبادت میں مشغول رہنے سے افضل ہے۔

صالح لوگوں کی صحبت

آج ہماری اولین ضرورت ان صحبتوں کو اختیار کرنا ہے جنہیں محض صوفیانہ صحبت کہہ کر ٹالا نہیں جا سکتا کیونکہ صلحاء کی صحبت اختیار کرنے کا حکم اللہ رب العزت نے قرآن حکیم میں دیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ۔ (۱)

(۱) الکہف، ۱۸: ۲۸

”(اے میرے بندے!) تو اپنے آپ کو ان لوگوں کی سنگت میں جمائے رکھا کر جو صبح و شام اپنے رب کو یاد کرتے ہیں اس کی رضا کے طلبگار رہتے ہیں (اس کی دید کے متمنی اور اس کا مکھڑا تکنے کے آرزومند ہیں) تیری (محبت اور توجہ کی) نگاہیں ان سے نہ ہٹیں۔“

اس آیتِ کریمہ میں قربتِ الٰہی کا راز بتایا جا رہا ہے کہ اگر تم چاہتے ہو کہ رب مل جائے تو اللہ والوں کی صحبت میں بیٹھا کرو جن کا ہر لمحہ یادِ محبوب میں گزرتا ہے، جن کا تعلق اللہ سے کبھی نہیں ٹوٹتا، جن کے فکر، خیال اور جذبات کی ڈوری اللہ سے جڑی ہوتی ہے، جو جاگتے ہیں تب بھی مولا کا ذکر کرتے ہیں، سوتے ہیں تب بھی مولا کی یاد میں ہوتے ہیں، ان کو خلوت و جلوت یادِ محبوب سے غافل نہیں کر سکتی۔ لہٰذا اگر تم اللہ کو پانا چاہتے ہو تو صلحاء کی صحبت اختیار کرو، ان کے دامن کو تھام لو اور ان پر اپنی نگاہیں جمائے رکھو۔ ان کی صحبت سے تمہیں معرفتِ الٰہی کی شرابِ طہور کے ایک دو گھونٹ بھی مل جائیں تو غنیمت ہے اور اگر نہ بھی ملے تو کم از کم اس کی بو تمہیں ضرور پہنچے گی۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

”نیک ساتھی اور برے ساتھی کی مثال عطر فروش اور بھٹی دھونکنے والے کی سی ہے۔ عطر فروش یا تو تمہیں یونہی مشک دے دے گا یا تم اس سے مشک خرید لو گے، یا کم از کم تمہیں اس سے اچھی خوشبو ضرور آئے گی اور بھٹی دھونکنے والا یا تو تمہارے کپڑے جلا دے گا یا پھر تمہیں بدبو تو ضرور آئے گی۔“(۱)

آج ہم صالح لوگوں کی صحبت کے فیض سے نہ صرف یہ کہ آگاہ نہیں، بلکہ مادیت کے غلبے نے یہاں تک پہنچا دیا کہ بعض لوگ اہل اللہ کی صحبت سے انکاری ہو کر اس کی مذمت پر اتر آئے اور صحبت سے پیدا ہونے والی کیفیات کو جنون اور پاگل پن قرار

(۱) مسلم، الصحیح، کتاب البرّ والصّلة والأدب، باب استحباب مجالسة الصّالحین و مجانبة قرناء السّوء، ۴: ۲۰۲۶، رقم: ۲۶۲۸

دینے لگے۔ ہمیں معلوم ہونا چاہئے کہ جب صحبتِ مصطفیٰ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ کمال عطا کیا تو وہ عالمِ انسانی کی ایسی شخصیات بن کر ابھرے جن کی مثال پیش کرنے سے تاریخ قاصر ہے۔

صلحاء کی صحبت اللہ سے ٹوٹے ہوئے تعلق کو جوڑ دیتی ہے۔ اللہ کے عشق کا دروازہ اسی صحبت سے کھلتا ہے۔ صحبت ہی سے کیفیات عشق و مستی قلوب پر وارد ہوتی ہیں۔ اس لیے جو اللہ کے بندوں کی صحبت کو ترک کر دے وہ اللہ کی بندگی کا راز نہیں پا سکتا اور وہ روحانی لذتوں اور حلاوتوں سے محروم رہتا ہے۔ جس طرح خلوت مناسب وقت پر پسندیدہ ہے اسی طرح صحبت بھی مناسب موقع پر پسندیدہ ہے۔ چنانچہ اللہ والوں سے لو لگانا اور ان کی مجلس میں بیٹھنا خلوت نشینی اختیار کرنے سے بدرجہا افضل ہے۔

اس بحث کا لب لباب یہ ہے کہ اسلام اعتدال اور توازن کی راہ پر چلنے کی تلقین کرتا ہے اور وہ معمولات و عبادات میں افراط و تفریط کی روش اختیار کرنے کو پسند نہیں کرتا۔ لہٰذا مناسب یہ ہے کہ ہر شخص اپنے ہم نشین کی طرف نظر دوڑائے اور دیکھے کہ اس کے ساتھ میل جول رکھنا ضروری ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں حضرت امام شافعی علیہ الرحمۃ نے فرمایا: ”اے یونس! لوگوں سے تنگ تنگ رہنا دشمنی کا باعث ہے اور ان کے ساتھ ہنسی خوشی رہنا برے دوستوں کو پیدا کرتی ہے۔ لہٰذا تمہیں ان سے کھچے کھچے رہنے اور ان کے ساتھ نہایت ہنسی خوشی کے ساتھ رہنے کی درمیانی راہ نکالنی چاہئے۔“ (۱)

خلوت نشینی کے آداب

جب کوئی سالک خلوت نشینی کا ارادہ کرے تو اسے چاہیے کہ جو کچھ اس کی ملکیت میں ہے سب سے بے تعلق ہو جائے۔ اپنے لباس، جگہ اور مصلے کی پاکیزگی کو یقینی بنانے کے بعد غسل کرے پھر دو رکعت نماز پڑھے۔ نماز سے فراغت کے بعد اللہ تعالیٰ کی

(۱) غزالی، إحياء علوم الدين، ۲: ۲۴۲

بارگاہ میں گریہ و زاری اور خشوع و خضوع کے ساتھ اپنے گناہوں سے توبہ کرے۔ ظاہر و باطن کو یکساں رکھے۔ اپنے دل سے مکر و فریب، بغض و حسد اور خیانت جیسی برائیوں کو دور کر دے۔ اس کے بعد خلوت میں قدم رکھے۔ حضرت شہاب الدین سہروردی علیہ الرحمۃ **''عوارف المعارف''** میں لکھتے ہیں: ''گوشہ نشین کے لئے درج ذیل آداب کو ملحوظ خاطر رکھنا ضروری ہے۔

۱۔ گوشہ نشین یہ نیت نہ کرے کہ اپنے آپ کو لوگوں کے شر سے بچانے کے لئے وہ ایسا کر رہا ہے بلکہ وہ یہ کہے کہ میرا مقصد ان لوگوں سے سلامتی و عافیت کا حصول ہے نیز میں اللہ تعالیٰ کی عبادت میں فراغت اور دلجمعی کا طالب ہوں۔

۲۔ سالک کو چاہیئے کہ ایک لمحہ بھی بیکار نہ بیٹھے بلکہ ذکر و فکر اور علم و عمل میں مشغول رہے۔

۳۔ لوگوں کو اپنے پاس نہ آنے دے، نہ کسی شہر سے خبروں کی ٹوہ لیتا رہے کیونکہ جو بات سنے گا اس سے گویا ایک بیج سینے میں ڈال لے گا جو اگ کر پریشانی کا ذریعہ بنے گا۔ کھانے پینے اور لباس میں بہت کم پر قناعت کرے ورنہ مخلوق سے ملنے جلنے کی ضرورت محسوس کرے گا۔

۴۔ پڑوسیوں کے ایذا دینے پر صبر سے کام لے۔ وہ اس کے حق میں جو کچھ کہیں اس کی پروا نہ کرے خواہ اس کی تعریف ہو یا مذمت۔ لوگ اسے منافق و ریا کار کہیں یا صاحب اخلاص و انکسار، متکبر کہیں یا منکسر المزاج، وہ ان کی کوئی بات نہ سنے اور نہ کسی کی پروا کرے اور اپنا تمام وقت خداوند تعالیٰ کی رضا کے حصول میں صرف کرے۔

www.MinhajBooks.com

۵۔ خلوت میں ہمیشہ باوضو رہنا ضروری ہے اور جب تک نیند کا غلبہ طاری نہ ہو اس وقت تک نہ سوئے۔ خلوت نشین کو یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ یہ امر چلہ کشی اور زنجیر کی

طرح ہے جو مختلف کڑیوں کے ایک دوسرے سے ملنے پر مکمل ہوتی ہے۔ پس اپنے اوپر لازم کرے کہ اس کا ہر کام رضائے الٰہی کے لئے ہو۔(۱)

خلوت نشینی کے پسندیدہ معمولات

خلوت نشینی کے چند اہم معمولات درج ذیل ہیں:

۱۔ کلمہ طیبہ کا ذکر

حضرت شہاب الدین سہروردی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: خلوت نشین کو چاہیے کہ ذکر کے لئے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کا ورد کثرت سے کرے کیونکہ یہ کلمہ باطن کو منور کرنے اور خیالات میں یکسوئی پیدا کرنے کی زبردست خاصیت رکھتا ہے اور اگر زبان اس ذکر سے تھک جائے تو زبان کو حرکت دیئے بغیر اپنے قلب کو اسکا ذاکر بنائے۔ اگر خلوت میں بندہ دل کے ساتھ اپنی زبان سے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کا تکرار کرتا رہے تو یہ کلمہ اس کے دل میں اپنی جڑیں بنا لیتا ہے اور جب یہ کلمہ دل پر جاری ہو جائے اور زبان اس کو بے تکلف ادا کرنے لگے تو اس وقت یہ ذکر مشاہدہ کے ساتھ قائم ہو کر ذکرِ ذات بن جاتا ہے اور یہ ذکر نور کے ساتھ ایک جوہر بن جاتا ہے۔ پھر یہ غیر کا محتاج نہیں رہتا۔ اسی کا نام مکاشفہ، مشاہدہ اور معائنہ ہے اور یہی خلوت نشینی کا منتہائے مقصود ہے۔

۲۔ کثرتِ عبادت

خلوت نشینی میں چاہیئے کہ بندہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی طلب کرے، قرآن کی تلاوت کثرت سے کرے، ذکر و نماز یا مراقبہ میں مصروف رہے۔ جب ان چیزوں سے تھک جائے تو سو جائے۔ خلوت کے دوران نوافل کثرت سے پڑھے، جس قدر نفلی نمازیں اور عبادات سنت نبوی ﷺ سے ثابت ہیں، ان سب کو پورا کرنے کی

(۱) شہاب الدین، عوارف المعارف، ۱: ۳۷۲۔۳۷۳

کوشش کرے۔ مثلاً نمازِ فجر کے بعد نمازِ اشراق، نمازِ چاشت، مغرب کی نماز کے بعد صلوۃ الاوابین، نمازِ تہجد، دیگر سنن اور کثرتِ نوافل کا اہتمام بھی کرے۔

اگر سالک طریقت کا ارادہ ہو تو رکعات کی تعداد (معینہ) کو پورا کرے یا تلاوت و ذکر کی مقررہ مقدار کو پورا کرلے۔ اس کو یہ کام بتدریج انجام دینا چاہئے۔ ایک عبادت کے بعد دوسری عبادت میں مشغول ہو اور اگر وہ چاہتا ہے کہ وقت کی شرط کو پورا کرے تو مذکورہ عبادات، تلاوتِ ذکر، نفلی نماز میں سے جو اس کو زیادہ آسان معلوم ہو اس پر مداومت اختیار کرے اور اگر وہ چاہتا ہے کہ وہ ایک گھنٹہ یا دو گھنٹے ایک ہی سجدے یا ایک ہی رکوع یا ایک رکعت ہی میں گزارے تو ایسا کرسکتا ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ نماز کی برکات نصیب ہوں۔

۳۔ کثرتِ تلاوتِ قرآن

کسی کو یہ مقام کلمہ کے ذکر سے نہیں بلکہ تلاوتِ قرآنِ حکیم کی کثرت سے ملتا ہے۔ اس سلسلے میں قلب کی موافقت کے ساتھ زبان سے جدوجہد کی جائے تاکہ تلاوت زبان پر جاری ہو جائے اور تلاوتِ قرآن کا مفہوم نفسانی باتوں کے قائم مقام ہو جائے۔

www.MinhajBooks.com

باب دوازدہم

دعوت و تبلیغ

www.MinhajBooks.com

www.MinhajBooks.com

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش

دعوت و تبلیغ ایک ایسا موضوع ہے جس کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ متعدد مقامات پر قرآن حکیم میں اسے فریضۂ نبوت و رسالت قرار دیا گیا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی امت کے علماء داعیین و مبلغین کو منتقل ہوگیا۔ اسلام ایک ایسا دین ہے جو نہ صرف یہ کہ اپنے پیروکاروں کو اپنی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی تلقین کرتا ہے بلکہ ایسے افکار و نظریات کو دوسروں تک پہنچانے کا حکم بھی دیتا ہے تاکہ جملہ انسانیت اس کے عالمگیر پیغام سے کماحقہ آشنا ہوسکے۔

معنی و مفہوم

دعوت عربی زبان کا لفظ ہے جو دَعَوَ سے مشتق ہے۔ اس کے لغوی معنی پکارنا اور بلانا کے ہیں۔ (۱)

دعوت کے اصطلاحی معنی لوگوں کو کسی خاص مقصد اور مشن کی طرف بلانا کے ہیں۔ اسلام میں دعوت سے مراد دوسروں کو اللہ تعالیٰ، اس کے رسول ﷺ اور دینِ حق کی طرف بلانا، اور ان کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی طرف متوجہ کرنا ہے۔ قرآنِ حکیم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَادۡعُ اِلٰی رَبِّکَ۔ (۲)

’’اور تم (لوگوں کو) اپنے رب کی طرف بلاتے رہو۔‘‘

---

(۱) ابن منظور، لسان العرب، ۱۴: ۲۵۷

(۲) القصص، ۲۸: ۸۷

اس طرح تبلیغ کا لغوی معنی ''پہنچا دینا'' ہے۔ اس لفظ کا مترادف ''البلاغ'' ہے۔ امام راغب اصفہانی نے المفردات میں ''البلاغ'' کے دو معانی بیان کئے ہیں:

پہلا معنی پہنچا دینا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُo(۱)

''اور واضح طور پر پیغام پہنچا دینے کے سوا ہم پر کچھ لازم نہیں ہےo''

البلاغ کا دوسرا معنی الکفایہ یعنی کافی ہونا ہے۔(۲) اس معنی پر درج ذیل آیت کریمہ دلالت کرتی ہے:

اِنَّ فِيْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَo(۳)

''بیشک اس (قرآن) میں عبادت گزاروں کے لئے (حصولِ مقصد کی) کفایت وضمانت ہےo''

شرعی اصطلاح میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ پیغامِ حق کو لوگوں تک پہنچانا تبلیغ کہلاتا ہے ارشادِ ربّانی ہے:

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْکَ مِنْ رَّبِّکَ۔(۴)

''اے (برگزیدہ) رسول! جو کچھ آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے (وہ سارا لوگوں کو) پہنچا دیجئے۔''

تبلیغ اور ابلاغ سے مراد محض کسی بات کا پہنچا دینا ہی نہیں بلکہ اس کے مقصد کی

(۱) یس، ۳۶: ۱۷

(۲) أصفهانی، مفردات الفاظ القرآن: ۱۱۹

(۳) الانبیاء، ۲۱: ۱۰۶

(۴) المائدة، ۵: ۶۷

آخری حد یعنی اس کو اس کے انجام تک پہنچا دینا ہے۔ اس معنی کی وضاحت درج ذیل آیتِ کریمہ سے ہوتی ہے:

فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ۔ (۱)

''پھر جب وہ اپنی مقررہ میعاد (کے ختم ہونے) کے قریب پہنچ جائیں۔''

دعوت اور اُس کی اَہمیت

اللہ تعالیٰ نے انسانی فطرت میں نیکی اور بدی کی پہچان اور نیکی اختیار کرنے اور بدی سے بچنے کی خواہش ودیعت فرما دی ہے۔ اس اعتبار سے انسان ایک اعلیٰ خلقت اور ایک بلند فطرت لے کر دنیا میں آیا ہے۔ وہ اس بات کا اہل ہے کہ اپنی سمجھ بوجھ سے نیکی کو قبول اور بدی کو ردّ کرکے اللہ تعالیٰ کے ہاں انعام کا اور خیر کی جگہ شر کا راستہ اختیار کرکے اپنی اس خلافِ فطرت روش پر سزا کا مستحق قرار پائے۔ لیکن اگر ایک طرف اس میں یہ پہلو خوبی اور کمال کا ہے تو بعض اعتبارات سے خلا اور نقص بھی ہے۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے نہ دنیا میں انسان کی ہدایت وضلالت کے معاملہ کو تنہا اس کی فطرت پر چھوڑا ہے، نہ صرف آخرت میں اس کو جزاء وسزا دینے کے لئے اس فطری رہنمائی کو کافی قرار دیا ہے بلکہ فطرت کے تقاضوں، اس کی مخفی قابلیتوں کو آشکار کرنے اور خلق پر اپنی حجت تمام کرنے کے لئے اس نے اپنے نبیوں اور رسولوں کو بھیجا تاکہ وہ لوگوں کو دین کی دعوت دیں اور قیامت کے دن لوگ یہ عذر نہ کرسکیں کہ ان کو نیکی اور سچائی کا راستہ بتانے والا کوئی نہیں تھا، اس وجہ سے وہ گمراہی کی وادیوں میں بھٹکتے رہے۔ اس حقیقت کو قرآن مجید کی درج ذیل آیاتِ کریمہ میں واضح کیا گیا:

رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللهِ حُجَّةٌ م بَعْدَ الرُّسُلِ ط وَكَانَ اللهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا○ (۲)

---

(۱) الطلاق، ۶۵:۲

(۲) النساء، ۴:۱۶۵

’’رسول جو خوش خبری دینے والے اور ڈر سنانے والے تھے (اس لئے بھیجے گئے) تاکہ (ان) پیغمبروں (کے آجانے) کے بعد لوگوں کے لئے اللہ پر کوئی عذر باقی نہ رہے، اور اللہ بڑا غالب حکمت والا ہےo‘‘

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَاجَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ ط وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌo(۱)

’’اے اہلِ کتاب! بیشک تمہارے پاس ہمارے (یہ آخر الزمان) رسول (ﷺ) پیغمبروں کی آمد (کے سلسلے) کے منقطع ہونے (کے موقع) پر تشریف لائے ہیں، جو تمہارے لئے (ہمارے احکام) خوب واضح کرتے ہیں، (اس لئے) کہ تم (عذر کرتے ہوئے یہ) کہہ دوگے کہ ہمارے پاس نہ (تو) کوئی خوشخبری سنانے والا آیا ہے اور نہ ڈر سنانے والا۔ (اب تمہارا یہ عذر بھی ختم ہو چکا ہے کیونکہ) بلاشبہ تمہارے پاس (آخری) خوشخبری سنانے اور ڈر سنانے والا (بھی) آگیا ہے، اور اللہ ہر چیز پر بڑا قادر ہےo‘‘

اللہ تعالیٰ نے ہر قوم کی ہدایت کے لئے رسول بھیجے تاکہ لوگوں پر حق پوری طرح آشکار ہو جائے، اور کوئی عذر باقی نہ رہے۔ انبیاء کرام علیھم السلام کو اگرچہ کئی متفرق قسم کی ذمہ داریاں بھی سپرد کی گئیں مگر جس ذمہ داری پر سب سے زیادہ زور دیا گیا وہ دعوت کی ذمہ داری تھی۔ یہ دعوت انفرادی بھی ہے اور معاشرتی بھی، قومی بھی ہے اور بین الاقوامی بھی۔ اصلاحِ معاشرہ اور ریاست کا آغاز چونکہ فرد سے ہوتا ہے اس لئے دعوتِ دین کا پہلا ہدف بھی فرد ہے۔ ذیل میں ہم انفرادی دعوت اور اجتماعی دعوت کے بارے میں قرآنی تعلیمات کا جائزہ لیتے ہیں:

(۱) المائدہ، ۵: ۱۹

اِنفرادی دعوت

امتِ مسلمہ کا ہر فرد انفرادی طور پر دین کا داعی ہے اور اس پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنی بساط، استعداد اور صلاحیت کے مطابق کام کرے اور اسلام کا پیغام دوسروں تک پہنچانے کے لئے کوشاں رہے۔ اس ضمن میں انبیائے کرام علیہم السلام کی زندگیاں ہمارے لئے مشعلِ راہ اور نمونہ عمل ہیں۔ انہوں نے جس طرح دعوت کا کام اوّلاً انفرادی سطح پر بطور داعی سرانجام دیا قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر ان کے اس انفرادی داعیانہ کردار کا تذکرہ موجود ہے۔

۱۔ قَالَ رَبِّ اِنِّیْ دَعَوْتُ قَوْمِیْ لَیْلاً وَّنَهَارًا ○[۱]

”نوح (علیہ السلام) نے عرض کیا: اے میرے رب! بیشک میں اپنی قوم کو رات دن بلاتا رہا○“

حضرت نوح علیہ السلام نے بطور داعی اپنے اس فرضِ منصبی کو نبھانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی اور دن رات ایک کر دیئے۔

۲۔ وَيٰقَوْمِ مَا لِیْٓ اَدْعُوْكُمْ اِلَی النَّجٰوةِ وَتَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَی النَّارِ ○[۲]

”اور اے میری قوم! مجھے کیا ہوا ہے کہ میں تمہیں نجات کی طرف بلاتا ہوں اور تم مجھے دوزخ کی طرف بلاتے ہو○“

اس آیہ کریمہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے داعیانہ کردار کا ذکر ہے۔

۳۔ وَّدَاعِيًا اِلَی اللهِ بِاِذْنِهٖ۔[۳]

(۱) نوح، ۷۱: ۵
(۲) المؤمن، ۴۰: ۴۱
(۳) الأحزاب، ۳۳: ۴۶

’’اور اس کے اِذن سے اﷲ کی طرف دعوت دینے والا اور منوّر کرنے والا آفتاب (بنا کر بھیجا ہے)۔‘‘

اس آیتِ کریمہ میں حضور نبی اکرم ﷺ کے منصبِ دعوت پر فائز کئے جانے کا ذکر ہے۔

۴۔ اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ۔ (۱)

’’(اے رسولِ معظم!) آپ اپنے رب کی راہ کی طرف بلایئے۔‘‘

یہاں بھی آپ ﷺ کو فریضہ دعوت سرانجام دینے کا حکم دیا گیا ہے۔

۵۔ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔ (۲)

’’اور اہلِ ایمان مرد اور اہلِ ایمان عورتیں ایک دوسرے کے رفیق و مددگار ہیں وہ اچھی باتوں کا حکم دیتے ہیں اور بری باتوں سے روکتے ہیں۔‘‘

اس آیتِ کریمہ میں ہر مسلمان کو انفرادی طور پر دعوتِ دین آگے پہنچانے کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا ہے۔

لہٰذا آج ضرورت اس امر کی ہے کہ ہر مرد داعی بن کر دینِ اسلام کی دعوت کا فریضہ سرانجام دے۔ موجودہ حالات اس بات کے متقاضی ہیں کہ ہر شخص داعی بن کر آقائے دوجہاں ﷺ کی سنتِ دعوت کو زندہ کرنے والا بن جائے کہ قوموں کی زندگی دعوت کے عمل کے دم سے ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ

(۱) النحل، ۱۶: ۱۲۵

(۲) التوبۃ، ۹: ۷۱

غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا یَعْصُوْنَ اللهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَo[(١)]

’’اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں، جس پر سخت مزاج طاقتور فرشتے (مقرر) ہیں جو کسی بھی امر میں جس کا وہ انہیں حکم دیتا ہے اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہی کام انجام دیتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہےo‘‘

اِجتماعی دعوت

دعوت کی دوسری صورت اجتماعی دعوتِ دین سے متعلق ہے۔ ضروری ہے کہ اس کے لئے ایک تحریک، تنظیم یا جماعت وجود میں لائی جائے جو اس فریضہ کو بحسن وخوبی انجام دینے کی ذمہ دار ہو۔ تاکہ دعوت کو ایک بھرپور نظام کے طور پر معاشرے میں متعارف کرایا جائے اور اس کام کے لئے مخصوص افراد کی تعلیم و تربیت کا اہتمام کیا جائے۔ یہ افراد قرآن و سنت کے علوم سے بہرہ ور ہو کر کامیاب داعی کی ذمہ داری نبھائیں اور لوگوں کو اسلام کی اصل روح سے آشنا کریں۔ قرانِ حکیم نے بڑے واضح انداز میں ایسی جماعت کے قیام کی ضرورت کو اجاگر کیا ہے، ارشادِ ربانی ہے:

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ یَّدْعُوْنَ اِلَی الْخَیْرِ وَیَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ یَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔[(٢)]

’’اور تم میں سے ایسے لوگوں کی ایک جماعت ضرور ہونی چاہیے جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائیں اور بھلائی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں۔‘‘

اس آیت میں واضح طور پر دعوت کو ایک نظام کے طور پر بپا کرنے کا حکم دیا گیا

---

(١) التحریم، ٦٦: ٦

(٢) آل عمران، ٣: ١٠٤

ہے لہٰذا صاحبانِ علم و عمل اور باکردار افراد پر مشتمل ایک جماعت آگے آئے جو کمالِ حکمت و تدبر کے ساتھ ''امر بالمعروف'' اور ''نہی عن المنکر'' کا فریضہ سرانجام دے۔

چونکہ حضور نبی اکرم ﷺ کے بعد نبوت و رسالت کا سلسلہ ختم کر دیا گیا اور کوئی نیا نبی اور رسول امت کی ہدایت و رہنمائی کے لئے نہیں آئے گا اس لئے آپ ﷺ کے وصال کے بعد دعوت کا کام آپ ﷺ کی امت کو منتقل کر دیا گیا۔ اسی بنا پر حضور نبی اکرم ﷺ کی امت کو بہترین امت قرار دیا گیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔(۱)

''تم بہترین اُمّت ہو جو سب لوگوں (کی رہنمائی) کے لئے ظاہر کی گئی ہے، تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو۔''

فرمانِ الٰہی کی رو سے اس فریضہ کی بجا آوری کا تقاضا یہ ہے کہ انفرادی طور پر ہر فردِ امت بڑھ چڑھ کر اس کارِ خیر میں حصہ لے اور اجتماعی سطح پر بھی نیک، صالح، متقی صاحبانِ علم و عمل پر مشتمل ایک ایسی جماعت قائم کی جائے جو ایک باقاعدہ اور مربوط نظام کے تحت دعوت کے کام کو پوری دنیا تک پھیلا دے۔

چنانچہ اس فریضے کی بجا آوری کے لئے امتِ مسلمہ کے اہلِ علم افراد نے ہر دور میں قابلِ قدر کاوشیں انجام دیں اور آج بھی یہ تسلسل جاری ہے۔

احادیثِ مبارکہ میں دعوت و تبلیغ کا حکم

احادیث مبارکہ میں حضور نبی اکرم ﷺ کے متعدد ارشادات میں دعوت و تبلیغ کی تعلیم دی گئی ہے۔ ذیل میں چند احادیث نقل کی جا رہی ہیں:

(۱) آل عمران، ۳: ۱۱۰

۱۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

”راستوں میں بیٹھنے سے بچتے رہنا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہمیں ایسی جگہوں پر بیٹھنے کے سوا چارہ کار نہیں کیونکہ ہم بیٹھ کر بات چیت کرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر تمہارا راستوں میں بیٹھنا ضروری ہے تو راستے کا حق ادا کردیا کرو۔ انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! راستے کا حق کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا:

غَضُّ الْبَصَرِ، وَكَفُّ الْأَذٰى، وَرَدُّ السَّلَامِ، وَالْأَمْرُ بِالْمَعْرُوفِ، وَالنَّهْيُ عَنِ الْمُنْكَرِ۔(۱)

”نظر نیچی رکھنا، تکلیف دہ چیز کا راستہ سے ہٹا دینا، سلام کا جواب دینا، اچھی باتوں کا حکم دینا اور بری باتوں سے منع کرنا (راستے کا حق ہے)۔“

۲۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

”اللہ تعالیٰ نے مجھ سے پہلے جس امت میں جو بھی نبی بھیجا اس نبی کے لئے اس کی امت میں سے کچھ مددگار اور اصحاب ہوتے تھے جو اپنے نبی کے طریقہ پر کاربند ہوتے اور اس کے امر کی اقتدا کرتے۔ پھر ان صحابہ کے بعد کچھ نالائق لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے اپنے فعل کے خلاف قول اور قول کے خلاف فعل کیا۔

فَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِيَدِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِلِسَانِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ،

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الاستئذان، باب بَدْءِ السَّلَام، ۵: ۲۳۰۰، رقم: ۵۸۷۵

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب اللباس والزینة، باب النهي عن الجلوس في الطرقات وإعطاء الطريق حقه، ۴: ۱۷۰۴، رقم: ۲۱۲۱

وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِقَلْبِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ. وَلَيْسَ وَرَاءَ ذٰلِكَ مِنَ الْإِيْمَانِ حَبَّةُ خَرْدَلٍ۔(۱)

’’لہٰذا جس شخص نے اپنے ہاتھ سے ان کے خلاف جہاد کیا وہ بھی مومن ہے، جس نے اپنی زبان سے اُن کے خلاف جہاد کیا وہ بھی مومن ہے اور جس نے اپنے دل سے ان کے خلاف جہاد کیا وہ بھی مومن ہے۔ اس کے بعد رائی کے دانہ برابر بھی ایمان کا کوئی درجہ نہیں ہے۔‘‘

۳۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

’’ہر انسان کی تخلیق تین سو ساٹھ جوڑوں کے ساتھ ہوئی ہے۔ جو شخص اللہ اکبر کہتا ہے، الحمد للہ کہتا ہے، لا الٰہ الا اللہ کہتا ہے، سبحان اللہ کہتا ہے، استغفر اللہ کہتا ہے، لوگوں کے راستے سے پتھر یا کانٹے یا ہڈی کو ہٹاتا ہے، نیکی کا حکم دیتا ہے یا برائی سے روکتا ہے، یہ کام تین سو ساٹھ دفعہ کرتا ہے، وہ اس دن شام کے وقت تک اپنے آپ کو آگ سے دور کر چکا ہوتا ہے۔‘‘(۲)

۴۔ ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

كُلُّ كَلَامِ ابْنِ آدَمَ عَلَيْهِ لَا لَهُ إِلَّا أَمْرٌ بِمَعْرُوْفٍ أَوْ نَهْيٌ عَنْ مُنْكَرٍ أَوْ ذِكْرُ اللهِ۔(۳)

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الإيمان، باب بيان كون النهي عن المنكر من الإيمان، ۱: ۶۹، رقم: ۵۰

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۱: ۴۵۸، رقم: ۴۳۷۹

(۲) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب: الزكاة، باب: بيان أن اسم الصدقة يقع على كل نوع من المعروف، ۲: ۶۹۸، رقم: ۱۰۰۷

۲۔ ابن حبان، الصحيح، ۸: ۱۷۳، رقم: ۳۳۸۰

(۳) ۱۔ ترمذى، الجامع الصحيح، أبواب الزهد عن رسول الله، باب: ما جاء في حفظ اللسان، ۴: ۲۱۲، رقم: ۲۴۱۲

’’ابن آدم کو اپنے کلام سے کوئی فائدہ نہیں بلکہ سراسر نقصان ہے سوائے نیکی کا حکم دینے اور برائی سے منع کرنے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کے۔‘‘

۵۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ ایک طویل روایت میں بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لَا يَمْنَعَنَّ رَجُلًا هَيْبَةُ النَّاسِ أَنْ يَقُوْلَ بِحَقٍّ إِذَا عَلِمَهُ۔(۱)

’’کسی شخص کو لوگوں کا ڈر حق بات کہنے سے نہ روکے جبکہ اسے اس شے کا حق ہونا معلوم ہو۔‘‘

۶۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

مُرُوا بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ قَبْلَ أَنْ تَدْعُوا فَلَا يُسْتَجَابُ لَكُمْ۔(۲)

’’نیکی کا حکم دو اور برائی سے منع کرو قبل اس کے کہ (وہ دور آ جائے جب) تم

۲۔ ابن ماجة، السنن، كتاب: الفتن، باب: كف اللسان في الفتنة، ۲: ۱۳۱۵، رقم: ۳۹۷۴

(۱) ترمذی، الجامع الصحيح، كتاب: الفتن، باب: ما جاء ما أخبر النبي أصحابه بما هو كائن إلى يوم القيامة، ۴: ۵۸، رقم: ۲۱۹۱

۲۔ ابن ماجة، السنن، كتاب: الفتن، باب: الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر، ۲: ۱۳۸۲، رقم: ۴۰۰۷

(۲) ۱۔ ابن ماجة، السنن، كتاب الفتن، باب الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر، ۴: ۱۴۰۰، رقم: ۴۰۰۴

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۶: ۱۵۹، رقم: ۲۵۲۹۴

اللہ تعالیٰ سے دعا مانگو اور تمہاری دعا مقبول نہ ہو۔‘‘

۷۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

’’انسان کے ہر عضو پر ہر روز ایک نماز (فرض) ہے۔ لوگوں میں سے ایک شخص نے عرض کیا: یہ تو آپ نے ہمیں بہت سخت بات بتائی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی نماز ہے، کمزور کی مدد کرنا بھی نماز ہے، راستے سے کانٹے وغیرہ ہٹانا بھی نماز اور نماز کے لئے جاتے وقت اٹھنے والا ہر قدم بھی نماز ہے۔‘‘(۱)

۸۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

’’ہر روز جس میں سورج نکلتا ہے ہر بنی آدم پر صدقہ ضروری ہے۔ عرض کیا گیا: یارسول اللہ! ہم صدقہ کے لئے سامان کہاں سے لائیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ أَبْوَابَ الْخَيْرِ لَكَثِيْرَةٌ: اَلتَّسْبِيْحُ، وَالتَّحْمِيْدُ، وَالتَّكْبِيْرُ، وَالتَّهْلِيْلُ، وَالْأَمْرُ بِالْمَعْرُوْفِ، وَالنَّهْيُ عَنِ الْمُنْكَرِ۔(۲)

’’نیکی کے دروازے کثیر ہیں۔ **سبحان اللہ، الحمد للہ، اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ** کہنا، نیکی کا حکم دینا اور برائی سے منع کرنا۔‘‘

۹۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اسلام یہ ہے کہ تم اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عبادت کرو، کسی کو اس کا شریک

---

(۱) ۱۔ ابن خزيمة، الصحيح، ۲: ۳۷۶، رقم: ۱۴۹۷
۲۔ طبراني، المعجم الكبير، ۱۱: ۲۹۶، رقم: ۱۱۷۹۱
(۲) ۱۔ ابن حبان، الصحيح، ۸: ۱۷۱، رقم: ۳۳۷۷
۲۔ ابن رجب الحنبلي، جامع العلوم والحكم، ۱: ۲۳۵، ۲۴۱

نہ ٹھہراؤ، نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو، حج کرو، نیکی کا حکم کرو، برائی سے منع کرو اور اپنے اہل خانہ کو (گھر میں داخل ہوتے وقت) سلام کرو۔

فَمَنِ انْتَقَصَ شَيْئًا مِنْهُنَّ فَهُوَ سَهْمٌ مِنَ الْإِسْلَامِ يَدَعُهُ. وَمَنْ تَرَكَهُنَّ فَقَدْ وَلَّى الْإِسْلَامَ ظَهْرَهُ۔(۱)

’’جس نے ان اعمال میں سے کسی عمل میں کمی کی اس نے اسلام کے ایک حصہ کو چھوڑ دیا۔ اور جس نے ان چیزوں کو (مکمل طور پر) ترک کردیا اس نے اسلام سے اپنی پشت ہی پھیر لی۔‘‘

۱۰۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ’’اسلام کے آٹھ حصے ہیں:

الصَّلَاةُ سَهْمٌ وَالزَّكَاةُ سَهْمٌ وَالْجِهَادُ سَهْمٌ وَالْحَجُّ سَهْمٌ وَصَوْمُ رَمَضَانَ سَهْمٌ وَالْأَمْرُ بِالْمَعْرُوْفِ سَهْمٌ وَالنَّهْيُ عَنِ الْمُنْكَرِ سَهْمٌ. وَقَدْ خَابَ مَنْ لَا سَهْمَ لَهُ۔(۲)

’’ایک حصہ نماز ہے، ایک زکوٰۃ ہے، ایک حصہ جہاد ہے، ایک حصہ حج بیت اللہ ہے، ایک حصہ ماہ رمضان کے روزے رکھنا ہے، ایک حصہ امر بالمعروف ہے، ایک حصہ نہی عن المنکر ہے۔ وہ ناکام ہوگیا جس کے لئے (ان حصوں میں سے) کوئی حصہ بھی نہیں۔‘‘

---

(۱) ۱۔ حاکم، المستدرک، ۱: ۷۰، رقم: ۵۳

۲۔ بیهقي، شعب الإیمان، ۶: ۴۴۷، رقم: ۸۸۴۴

(۲) ۱۔ ابن أبي شیبة، المصنف، ۴: ۲۳۰، الرقم: ۱۹۵۶۱

۲۔ أبو یعلی، المسند، ۱: ۴۰۰، رقم: ۵۲۳

١١۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لَتَأْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنكَرِ، أَوْ لَيُسَلِّطَنَّ اللهُ عَلَيْكُمْ شِرَارَكُمْ، ثُمَّ يَدْعُوْ خِيَارُكُمْ فَلاَ يُسْتَجَابُ لَكُمْ۔(۱)

’’تم ضرور بالضرور نیکی کا حکم دو گے اور برائی سے منع کرتے رہو گے ورنہ اللہ تعالیٰ تم میں سے برے لوگوں کو تم پر مسلط کر دے گا۔ پھر تم میں سے جو اچھے لوگ ہیں وہ اللہ تعالیٰ سے (مدد کی) دعا کریں گے لیکن ان کی دعا تمہارے حق میں قبول نہیں ہوگی۔‘‘

١٢۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: ہم نے عرض کیا: ’’یارسول اللہ! ہم اس وقت تک نیکی کا حکم نہیں دیں گے جب تک ہم مکمل طور پر خود اس پر عمل نہیں کر لیتے اور نہ اس وقت تک برائی سے منع کریں گے جب تک ہم مکمل طور پر خود اس سے اجتناب نہیں کر لیتے۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

بَلْ مُرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَإِنْ لَمْ تَعْمَلُوْا بِهِ كُلِّهِ وَانْهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ وَإِنْ لَمْ تَجْتَنِبُوْهُ كُلَّهُ۔(۲)

’’(نہیں) بلکہ نیکی کا حکم دو اگرچہ تم مکمل طور پر اس پر عمل نہ بھی کر سکو اور برائی سے منع کرو اگرچہ مکمل طور پر اس سے اجتناب نہ بھی کر سکو (یعنی اگر ممکنہ حد تک عمل کرتے ہو تب بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرو)۔‘‘

(۱) ۱۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۲: ۲۲۴، رقم: ۱۴۰۱
۲۔ بزار، المسند، ۱: ۲۹۲۔۲۹۳، رقم: ۱۸۸

(۲) ۱۔ طبراني، المعجم الأوسط، ٦: ٣٦٥، رقم: ٦٦٢٨
۲۔ طبراني، المعجم الصغير، ۲: ۱۷۵، رقم: ۹۸۱

داعی کے اَوصاف

عملِ دعوت ایک پیغمبرانہ مشن ہے۔ اَعلیٰ اخلاق اور اَعلیٰ مقاصد کے لئے کام کرنا داعی کا اَوّلین وتیرہ ہونا چاہیئے۔ انسانیت کے لئے خیر اور بھلائی کا موجب بننے والے مخصوص لوگ ہی اس کارِ نبوت کو اپنا اوڑھنا بچھونا بناتے ہیں۔ ذیل میں ہم داعی کے اوصاف اختصار کے ساتھ بیان کر رہے ہیں:

۱۔ خلوصِ نیت

داعی کے اقوال و افعال خلوصِ نیت پر مبنی ہونے چاہئیں کیونکہ اخلاص کے ساتھ تھوڑا عمل بھی موجبِ خیر و برکت اور باعثِ ثمرات حسنہ ہوتا ہے اور بغیر اخلاص کے دنیا اور آخرت میں کوئی اَجر و ثواب نہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

إِلَّا عِبَادَ اللهِ الْمُخْلَصِينَ○ (۱)

’’(ہاں) مگر اللہ کے وہ (برگزیدہ و منتخب) بندے جنہیں (نفس اور نفسانیت سے) رہائی مل چکی ہے○‘‘

ہر عمل کا دار و مدار حسنِ نیت پر ہے، لیکن دعوت کا تعلق بطور خاص باطن کی نیت سے ہے۔ نیت جتنی نیک اور خالص ہوگی عمل میں اُسی قدر برکت اور کشش ہوگی۔ مشہور حدیثِ مبارکہ کے الفاظ ہیں:

الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّةِ، وَلِكُلِّ امْرِيءٍ مَا نَوَى، فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى اللهِ وَرَسُوْلِهِ فَهِجْرَتُهُ إِلَى اللهِ وَرَسُوْلِهِ، وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ لِدُنْيَا يُصِيْبُهَا، أَوِ امْرَأَةٍ يَتَزَوَّجُهَا، فَهِجْرَتُهُ إِلَى مَا هَاجَرَ إِلَيْهِ۔ (۲)

---

(۱) الصافات، ۳۸: ۴۰

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الإيمان، باب ما جاء أنَّ الأعمال بِالنِّيَّةِ والحِسْبَةِ وَلِكُلِّ امْرِيءٍ مَانَوَى، ۱: ۳۰، رقم: ۵۴

’’اَعمال کا دار و مدار نیت پر ہے اور ہر شخص کے لئے وہی ہے جس کی اُس نے نیت کی۔ پس جس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف ہجرت کی اس کی ہجرت اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کے لئے شمار ہوگی اور جس کی ہجرت دنیا حاصل کرنے یا کسی عورت سے شادی کرنے کے لیے ہوئی تو اس کی ہجرت اُسی کے لیے ہے جس کی طرف اُس نے ہجرت کی۔‘‘

۲۔ عمل و کردار میں پختگی

امرِ حق کے داعی کے لئے لازمی ہے کہ اس کا عمل بھی اس کے موافق ہو۔ عمل کی دلیل چونکہ زیادہ قوی ہوتی ہے اس وجہ سے خود اس کا رویہ اس کے دعوی کے خلاف ایسی حجت ہے کہ اس کے بعد اس کی تردید کے لئے کسی اور حجت کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ مسلمانوں پر لازم ہے کہ دین پر ایمان بھی لائیں، اس کی دعوت بھی دیں اور اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے تمام گوشوں میں اس پر عمل بھی کریں۔

اسی لئے داعی کا صاحبِ کردار ہونا ضروری ہے۔ کوئی صاحبِ کردار تبھی بن سکتا ہے جب وہ شریعتِ مصطفیٰ ﷺ پر پوری طرح عمل کرے۔ جب تک وہ خود اس پر عمل پیرا نہیں ہوتا اسے دوسروں کو دین پر عمل کرنے کی دعوت دینے کا کوئی حق نہیں پہنچتا، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْنَ ۝ (۱)

’’اے ایمان والو! تم وہ باتیں کیوں کہتے ہو جو تم کرتے نہیں ہو ۝‘‘

۲۔ کتاب بدء الوحي، باب کیف کان بدء الوحي، ۱: ۳، رقم: ۱

۳۔ مسلم فی الصحیح، کتاب الإمارة، باب قوله إنما الأعمال بالنية وأنه يدخل فيه الغزو وغيره من الأعمال، ۳: ۱۵۱۵، رقم: ۱۹۰۷

(۱) الصف، ۶۱: ۲

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

رَاَیۡتُ لَیۡلَةَ اُسۡرِیَ بِیۡ رِجَالًا تُقۡرَضُ شِفَاهُهُمۡ بِمَقَارِضَ مِنۡ نَارٍ فَقُلۡتُ مَنۡ هٰؤُلَاءِ یَا جِبۡرِیۡلُ؟ فَقَالَ: اَلۡخُطَبَاءُ مِنۡ اُمَّتِکَ یَأۡمُرُوۡنَ النَّاسَ بِالۡبِرِّ، وَ یَنۡسَوۡنَ اَنۡفُسَهُمۡ۔(۱)

’’میں نے معراج کی شب دیکھا کہ کچھ لوگوں کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جا رہے ہیں۔ میں نے پوچھا جبریل یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا: یہ آپ کی امت کے خطیب اور واعظ ہیں جو لوگوں کو نیکی کی ہدایت کرتے تھے اور اپنے آپ کو بھول جاتے تھے۔ (یعنی خود نیک کام نہ کرتے تھے۔)‘‘

کردار خود بولتا ہے اور اس سے بڑھ کر اور کوئی دلیل نہیں جو اس کے حق ہونے پر دلالت کرے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مثال ہمارے سامنے ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلانِ نبوت فرمایا تو توحیدِ باری تعالیٰ کی پہلی دلیل کے طور پر اپنی چالیس سالہ زندگی کو پیش کیا۔ چنانچہ قرآنِ حکیم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کردار کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

فَقَدۡ لَبِثۡتُ فِیۡکُمۡ عُمُرًا مِّنۡ قَبۡلِهٖ ط اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ○(۲)

’’بیشک میں اس (قرآن کے اترنے) سے قبل (بھی) تمہارے اندر عمر (کا ایک حصہ) بسر کرچکا ہوں، سو کیا تم عقل نہیں رکھتے ○‘‘

اس لئے داعی کا کردار ایسا ہونا چاہئے کہ اس میں کہیں کوئی جھول نظر نہ آئے بلکہ اس کا کردار خود اس کی گواہی بن جائے۔

www.MinhajBooks.com

(۱) صحیح ابن حبان، ۱: ۲۴۹، رقم: ۵۳

(۲) یونس، ۱۰: ۱۶

۳۔ کتاب و سنت کا وسیع مطالعہ

داعی کتاب و سنت کی تعلیمات سے نہ صرف واقفیت رکھتا ہو بلکہ اس کا صحیح فہم بھی اسے حاصل ہو، کیونکہ جب تک وہ خود قرآن وسنت اور سیرت مطہرہ کے صحیح فہم سے بہرہ ور نہ ہوگا دوسروں کو کیونکر اس سے آشنا کرسکتا ہے اور کس طرح اس کی تعلیم لوگوں میں عام کرسکتا ہے، لہٰذا معاشرے کی اصلاح کا بیڑہ اٹھانے سے پہلے داعی کو چاہئے کہ وہ خود قرآن وسنت کے علوم کی معرفت حاصل کرے۔

۴۔ صبر و اِستقامت

داعی کا صبر کی صفت سے متصف ہونا ازبس ضروری ہے۔ داعی کو خاص طور پر پیکرِ صبر ہونا چاہیے تاکہ دین کی دعوت کے سلسلے میں آنے والے مصائب و آلام، تنگی و ترشی اور ناسازگار حالات کا پامردی سے مقابلہ کر سکے۔ اسے ذاتی کردارکشی سمیت بے شمار چیلنجز کا سامنا کرنا پڑے گا کیونکہ یہ قرآنی ضابطہ ہے کہ جب بھی حق کی بات کی جائے گی باطل و طاغوت راہ میں ہر طرح کی رکاوٹ ڈالنے کے اقدام کریں گے۔ سورہ العصر میں اہل صبر وعزیمت کے بارے میں یوں ارشاد فرمایا گیا:

وَ تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَ تَوَصَوْا بِالصَّبْرِ ○ (۱)

’’اور (معاشرے میں) ایک دوسرے کوحق کی تلقین کرتے رہے اور (تبلیغِ حق کے نتیجے میں پیش آمدہ مصائب وآلام میں) باہم صبر کی تاکید کرتے رہے○‘‘

قرآن حکیم نے متعدد مقامات پر اہل حق کو صبر کی تلقین کی ہے اور صبر کرنے والوں کا اجر اور درجہ بیان کیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

۱۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا۔ (۲)

(۱) العصر، ۱۰۳: ۳

(۲) آل عمران، ۳: ۲۰۰

”اے ایمان والو! صبر کرو اور ثابت قدمی میں (دشمن سے بھی) زیادہ محنت کرو۔“

۲۔ اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ○[1]

”بلا شبہ صبر کرنے والوں کو اُن کا اجر بے حساب انداز سے پورا کیا جائے گا○“

ہمارے آقا و مولا حضور نبی اکرم ﷺ کی ساری حیات طیبہ صبر و شکر اور قناعت کی مظہر اتم تھی۔ ایک کامیاب داعی وہی ہے جو صبر کے عظیم وصف سے متصف ہو اس طرح کہ صبر اس کی عادت ثانیہ بن جائے۔

استقامت کسی عمل پر ثابت قدم رہنے کو کہتے ہیں۔ داعی کو لازم ہے کہ وہ ہر حال میں اطاعت و تقویٰ اور صبر و استقامت پر قائم رہے اور اس کے قدم ڈگمگانے نہ پائیں، چاہے اس کی راہ میں کتنے ہی مصائب و آلام کے پہاڑ حائل ہوں بلکہ ہونا یہ چاہئے کہ حالات جتنے زیادہ پریشان کن ہو جائیں، داعی کے کام میں اتنی ہی زیادہ تیزی آ جائے۔ یہ چیز اس کے ایمان کا جزو بن جائے کہ راہِ حق پر جس قدر زیادہ استقامت آئے گی اسی قدر اس پر اللہ کی عنایات و نوازشات کی بارش ہونے لگے گی، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ○[2]

”بیشک جن لوگوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے، پھر وہ (اِس پر مضبوطی سے) قائم ہوگئے، تو اُن پر فرشتے اترتے ہیں (اور کہتے ہیں) کہ تم خوف نہ کرو اور نہ غم کرو اور تم جنت کی خوشیاں مناؤ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا○“

---

(۱) الزمر، ۳۹: ۱۰

(۲) حم السجدة، ۴۱: ۳۰

دعوت کا کام کرنے والوں کو یہ مژدۂ جانفزا سنایا جاتا ہے کہ اللہ ان کے ساتھ ہے اس لئے وہ غم نہ کریں اور استقامت کے ساتھ اپنے مشن پر قائم رہیں۔ قرآنِ حکیم میں استقامت اختیار کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَاهُمْ یَحْزَنُوْنَo(۱)

’’بیشک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر انہوں نے استقامت اختیار کی تو ان پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گےo‘‘

لہٰذا ضروری ہے کہ داعی استقامت کی راہ میں پیش آنے والی رکاوٹوں کو خاطر میں نہ لائے اور یکسو ہوکر دین اور مشن کے کام کو آگے بڑھانے میں سستی اور کم ہمتی نہ دکھائے۔

۵۔ حسنِ خلق

حسنِ خلق اور خوش خلقی کے بغیر کوئی دعوت کامیابی سے ہمکنار نہیں ہوسکتی، یہ وہ وصف ہے جس سے دشمن کو بھی دوست بنایا جا سکتا ہے۔ داعی کے لئے ضروری ہے کہ تبسم اور شگفتگی کے آثار ہر وقت اس کے چہرے پر نمایاں رہیں۔ اس کا حسنِ اخلاق اور گرم جوشی کا انداز ایسا ہو کہ جس کسی سے ایک بار ملے وہ دوبارہ اس سے ملنے کی خواہش کرنے لگے۔ خوش خلقی کا پہلا مظہر حسنِ گفتار ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا۔(۲)

’’اور عام لوگوں سے (بھی نرمی اور خوش خُلقی کے ساتھ) نیکی کی بات کہنا۔‘‘

---

(۱) الاحقاف، ۴۶:۱۳

(۲) البقرہ، ۲:۸۳

خوش گفتاری اور قول کی نرمی سے سامعین میں رغبت پیدا ہوتی ہے۔ قرآنِ حکیم داعئ اول حضور نبی اکرم ﷺ کے خلق کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

وَ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ○ (۱)

''اور بیشک آپ عظیم الشان خلق پر قائم ہیں○''

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ کے خلق کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے جواباً فرمایا: کَانَ خُلُقُهُ الْقُرآن یعنی حضور نبی اکرم ﷺ کا خلق سراسر قرآن ہی تو ہے۔(۲)

اسی طرح حضرت عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ حضور نبی اکرم ﷺ کی خندہ روئی کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

مَا رَأَیتُ أحدًا أکثرَ تبَسُّمًا من رَسولِ اللهِ ﷺ۔(۳)

''میں نے رسول اللہ ﷺ سے زیادہ مسکرانے والا اور کوئی نہیں دیکھا۔''

حضور نبی اکرم ﷺ کی نظر میں سب سے اچھا انسان وہ ہے جس کے اخلاق بہترین ہوں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

إِنَّ خِیَارِکُمْ أَحَاسِنُکُمْ أَخْلَاقًا۔(۴)

''تم میں سے بہترین افراد وہ ہیں جو اخلاق کے اعتبار سے اچھے ہوں۔''

---

(۱) القلم، ۶۸: ۴

(۲) ۱۔ طبرانی، المعجم الأوسط، ۱: ۳۰، رقم: ۷۲

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۶: ۹۱، رقم: ۲۴۶۴۵

(۳) ترمذی، الجامع الصحیح، أبواب المناقب باب في بشاشة النبي ﷺ، ۶، ۳۰، رقم: ۳۶۴۱

(۴) بخاری، الصحیح، کتاب الأدب، باب حُسْنِ الْخُلُقِ وَالسَّخَاءِ وَمَا يُكْرَهُ مِنَ الْبُخْلِ، ۵: ۲۲۴۵، رقم: ۵۶۸۸

۶۔ تواضع و اِنکساری

تواضع اور انکساری داعی کا اہم ترین وصف ہے۔ یہ اسے نفس کے حملوں سے بچانے کے لئے اسلحہ کا کام دیتا ہے یہ اسے احساس برتری سے بھی بچائے رکھتا ہے۔ چنانچہ داعی کے طرزِ زندگی اور طرزِ عمل سے عجز و تواضع کی جھلک نظر آنی چاہئے۔ اسے تکبر سے اتنی ہی نفرت ہونی چاہئے جتنی کہ کفر و شرک سے ہر بندۂ مومن کو نفرت ہے۔ تکبر وہ چیز ہے جو بارگاہِ الٰہی میں مردود بنا دیتی ہے۔ قرآنِ حکیم میں تکبر کو ہدف لعنت و مذمت اور تواضع و انکساری کو بارگاہِ خداوندی میں محبوب و پسندیدہ قرار دیا گیا ہے۔ شیطان نے تکبر کیا تو راندۂ درگاہ بنا دیا گیا جس کا ذکر قرآن حکیم نے یوں فرمایا:

اَبٰی وَاسْتَکْبَرَ وَ کَانَ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ۔(۱)

’’اس نے انکار اور تکبر کیا اور (نتیجتًا) کافروں میں سے ہو گیا۔‘‘

امت کی تعلیم و تربیت کے لئے اللہ تعالی نے حضور نبی اکرم ﷺ سے روئے خطاب کر کے ارشاد فرمایا:

وَاخْفِضْ جَنَاحَکَ لِمَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَo(۲)

’’اور آپ اپنا بازوئے (رحمت و شفقت) ان مومنوں کے لئے بچھا دیجئے جنہوں نے آپ کی پیروی اختیار کر لی ہےo‘‘

بندوں کی اسی تواضع کو اللہ تعالیٰ نے ان کلمات کے ساتھ سراہا۔

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ هَوْنًا۔(۳)

---

(۱) البقرہ، ۲:۳۴

(۲) الشعراء، ۲۶: ۲۱۵

(۳) الفرقان، ۲۵: ۶۳

’’اور (خدائے) رحمان کے (مقبول) بندے وہ ہیں جو زمین پر آہستگی سے چلتے ہیں۔‘‘

مختصراً یہ کہ جب تواضع و انکساری اختیار کئے بغیر انسان اللہ کا بندہ نہیں بن سکتا تو کیسے ممکن ہے کہ تواضع اختیار کئے بغیر وہ داعی بن سکے۔ لہٰذا کوشش کرنی چاہیے کہ داعی اپنے اندر عجز و انکساری پیدا کرے۔

۷۔ عفو و درگزر

ایک داعی کے اندر عفو و درگزر کی صفت کوٹ کوٹ کر بھری ہونی چاہیے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِیْنَ○ [۱]

’’(اے حبیبِ مکرّم!) آپ درگزر فرمانا اختیار کریں، اور بھلائی کا حکم دیتے رہیں اور جاہلوں سے کنارہ کشی اختیار کرلیں○‘‘

اس آیہ کریمہ میں داعی کے لئے بڑا سبق ہے کہ اگر دورانِ دعوت کوئی شخص تم سے زیادتی روا رکھے تو اسے معاف کردو اور اپنی دعوت کو تسلسل کے ساتھ جاری رکھو۔ داعی کو درج ذیل ارشادِ ربانی کو حرزِ جاں بنا لینا چاہیے:

فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ۔ [۲]

’’سو آپ ان سے درگزر فرمایا کریں اور ان کے لئے بخشش مانگا کریں۔‘‘

عفو و درگزر بڑی فضیلت اور اجر کا باعث عملِ خیر ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ جَزٰٓؤُا سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثْلُهَا ج فَمَنْ عَفَا وَ اَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَی اللّٰهِ۔ [۳]

---

(۱) الاعراف، ۷: ۱۹۹

(۲) آل عمران، ۳: ۱۵۹

(۳) الشوریٰ، ۴۲: ۴۰

’’اور برائی کا بدلہ اسی برائی کی مِثل ہوتا ہے، پھر جس نے معاف کر دیا اور (معافی کے ذریعہ) اصلاح کی تو اُسکا اجر اللہ کے ذمّہ ہے۔‘‘

۸۔ صداقت

راست روی، راست بازی، ظاہر و باطن کی یکسانیت اورقول کا سچا ہونا یہ داعی کے لئے لازمی صفات ہیں جو شخص اپنے آپ سے یہ عہد کرے کہ وہ ہمیشہ سچ بولے گا اور جھوٹ کے قریب نہیں پھٹکے گا اس کے لئے بدی سے بچنا اور نیکی کی راہ اختیار کرنا سہل ہو جاتا ہے۔ سچ بولنے کے نتیجے میں اس کا ظاہر و باطن پاک اور کردار پختہ بن جاتا ہے۔ یہی کردار ایک کامیاب داعی کا اثاثہ ہے۔ راست گفتاری انسان کے اندر بلند حوصلگی اور شجاعت پیدا کرتی ہے۔ اس بارے میں حضور نبی اکرم ﷺ کی مثال ہمارے سامنے ہے جب آپ ﷺ کو نبوت سے سرفراز فرمایا گیا اور آپ ﷺ نے قبیلہ قریش کے لوگوں کو اکٹھا کیا اور فرمایا: اگر میں تم سے کہوں کہ اس پہاڑ کے پار ایک لشکر ہے جو تھوڑی ہی دیر میں تم پر حملہ کرنے والا ہے تو کیا تم میری بات پر یقین کر لو گے؟ وہ یک زبان پکار اٹھے: ہاں کیوں نہیں؟ ہم نے آپ کو کبھی جھوٹ بولتے نہیں سنا۔ اس پر آپ نے اسے دلیل کے طور پر پیش کرتے ہوئے انہیں توحید الٰہیہ کی دعوت دی۔

اسی طرح جب ہم حضور نبی اکرم ﷺ کے سیرت و کردار کا مطالعہ کرتے ہیں تو ایسی بے شمار مثالیں ملتی ہیں کہ آپ ﷺ نے ہمیشہ سچ اور راست بازی سے کام لیا اور مصلحتاً بھی کوئی ایسی بات نہیں کہی جو حقیقت کے خلاف ہو۔ قرآن حکیم میں جا بجا اہل ایمان کو سچائی اور صداقت کا درس دیا گیا ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

۱۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ○[1]

’’اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور اہلِ صدق (کی معیت) میں شامل رہو○‘‘

(۱) التوبہ، ۹: ۱۱۹

۲۔ اَلصّٰبِرِیۡنَ وَالصّٰدِقِیۡنَ وَالۡقٰنِتِیۡنَ وَالۡمُنۡفِقِیۡنَ وَالۡمُسۡتَغۡفِرِیۡنَ بِالۡاَسۡحَارِ○ (۱)

’’(یہ لوگ) صبر کرنے والے ہیں اور قول وعمل میں سچائی والے ہیں اور ادب و اطاعت میں جھکنے والے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے ہیں اور رات کے پچھلے پہر (اٹھ کر) اللہ سے معافی مانگنے والے ہیں○‘‘

آقائے دوجہاں ﷺ نے سچ اور راست بازی کی تلقین کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

إِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِي إِلَى الْبِرِّ وَإِنَّ الْبِرَّ يَهْدِي إِلَى الْجَنَّةِ وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيَصْدُقُ حَتَّى يَكُونَ صِدِّيقًا وَإِنَّ الْكَذِبَ يَهْدِي إِلَى الْفُجُورِ وَإِنَّ الْفُجُورَ يَهْدِي إِلَى النَّارِ وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيَكْذِبُ حَتَّى يُكْتَبَ عِنْدَ اللهِ كَذَّابًا۔ (۲)

’’بیشک سچائی بھلائی کی طرف ہدایت کرتی ہے اور بھلائی جنت کی طرف لے جاتی ہے اور آدمی برابر سچ بولتا رہتا ہے یہاں تک کہ صدیق ہو جاتا ہے اور جھوٹ بدکاریوں کی طرف لے جاتا ہے اور بدکاریاں جہنم میں پہنچاتی ہیں اور آدمی برابر جھوٹ بولتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کذّاب لکھ دیا جاتا ہے۔‘‘

(۱) آل عمران، ۳: ۱۷

(۲) ۱۔ بخاری الصحیح، ، کتاب الأدب، باب، یَا ایھا الَّذِیۡنَ امنوا اتَّقُوۡا اللہ، ۵، ۲۲۶۱، رقم: ۵۷۴۳

۲۔ صحیح مسلم، کتاب البروالصلۃ، باب، قبح الکذب، و حسن الصدق، ۴: ۲۰۱۲، رقم: ۲۶۰۷

۹۔ توکل

قطع نظر اس سے کہ داعی کی دعوت کے مطلوبہ نتائج پیدا ہوں یا نہ ہوں، اس کی ذمہ داری اتنی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر توکل و بھروسہ کرے اور اس بات پر یقین رکھے کہ اللہ تعالیٰ کسی کی محنت رائیگاں نہیں جانے دیتا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا اپنا فرمان ہے کہ جب تم کسی کام کا ارادہ کر لو تو پھر اس کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے آگے بڑھو اور اللہ تعالیٰ پر مکمل توکل کرتے ہوئے اس کا انجام اس پر چھوڑ دو، ارشادِ ربّانی ہے:

۱۔ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ○[۱]

"پھر جب آپ پختہ ارادہ کر لیں تو اللہ پر بھروسہ کیا کریں، بیشک اللہ توکّل والوں سے محبت کرتا ہے ○"

۲۔ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ۔[۲]

"اور جو شخص اللہ پر توکل کرتا ہے تو وہ (اللہ) اسے کافی ہے۔"

۳۔ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ○[۳]

"جو کوئی اللہ پر توکل کرتا ہے تو (اللہ اس کے جملہ امور کا کفیل ہو جاتا ہے) بیشک اللہ بہت غالب بڑی حکمت والا ہے ○"

داعی کے لئے ضروری ہے کہ وہ پوری دلجمعی اور بے نفسی سے اپنے کام میں لگا رہے اور اس کا اس بات پر کامل ایمان ہو کہ اللہ حیّ و قیوم اور قدیر و علیم ہے اور وہی اس کے کام کو نتیجہ خیز بنا کر چھوڑے گا۔

(۱) آل عمران، ۳: ۱۵۹
(۲) الطلاق، ۶۵: ۳
(۳) الانفال، ۸: ۴۹

۱۰۔ ریاضت و مجاہدہ

دعوت دین کا کام مسلسل محنت اور ریاضت و مجاہدہ کا متقاضی ہے۔ داعی کے لئے ضروری ہے کہ وہ تقویٰ و طہارت، پاکیزگی و نظافت اور عبادت و طاعت الٰہی کا پیکر بن جائے اور اپنے اندر راہِ حق میں آنے والے مصائب و آلام کی برداشت کا حوصلہ پیدا کرے۔ داعی کی زندگی کا ہر ہر لمحہ مجاہدہ میں بسر ہو کیونکہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مجاہدہ کرتے ہیں اور نفس و شیطان کے خلاف عَلَمِ جہاد بلند کرتے ہیں اللہ ان کے لئے راہیں کھول دیتا ہے۔ ایسے لوگوں کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا ؕ وَ اِنَّ اللهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ ○(۱)

”اور جو لوگ ہمارے حق میں جہاد (اور مجاہدہ) کرتے ہیں تو ہم یقیناً انہیں اپنی (طرف سَیر اور وصول کی) راہیں دکھا دیتے ہیں، اور بیشک اللہ صاحبانِ احسان کو اپنی معیّت سے نوازتا ہے ○“

اس آیہ کریمہ میں مجاہدہ جہاں دین کی سربلندی کے لئے ہمہ تن گوش رہنا اور اس کی راہ میں پیش آنے والی مشکلات و تکالیف کو برداشت کرنا ہے وہاں اس سے مراد انسان کا اپنا تزکیۂ نفس بھی ہے کیونکہ اپنے باطن کو پاک و صاف کر لینے کے بعد ہی بندہ اس قابل ہوتا ہے کہ معاشرے میں سرعت کے ساتھ پھیلتی ہوئی برائی کے خاتمے کے لئے مؤثر کوشش کر سکے، جب تک خود انسان کے نفس و باطن کی اصلاح نہ ہو دوسروں کی اصلاح کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس لئے اللہ ربّ العزت نے ارشاد فرمایا:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ○(۲)

---

(۱) العنکبوت، ۲۹:۶۹

(۲) الاعلیٰ، ۸۷:۱۴

''بیشک وہی بامراد ہوا جو (نفس کی آفتوں اور گناہ کی آلودگیوں سے) پاک ہوگیاo''

پس داعی کے لئے ضروری ہے کہ وہ پہلے اپنے نفس و باطن کی تہذیب وتطہیر کرے اور پھر دوسروں کو دعوت دے۔

۱۱۔تقویٰ وطہارت

داعی دعوت کا حق تبھی ادا کر سکے گا جب اس کی ذات تقویٰ و طہارت کی پیکر بن جائے اور اس کی زندگی کا ہر لمحہ احکام الٰہیہ کی بجا آوری میں بسر ہو۔تقویٰ کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ بندہ ان امور سے بے نیاز ہو جائے جن سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے۔ پس داعی کے لئے لازمی ہے کہ وہ تقویٰ و طہارت کو اپنا شعار بنا لے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ اتَّقُوا اللّٰہَ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَo(۱)

''اور اللہ سے ڈرتے رہو بشرطیکہ تم (واقعی) صاحبِ ایمان ہوo''

دوسرے مقام پر طہارت کے باب میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

لَا تَقُمۡ فِیۡہِ اَبَدًا ؕ لَمَسۡجِدٌ اُسِّسَ عَلَی التَّقۡوٰی مِنۡ اَوَّلِ یَوۡمٍ اَحَقُّ اَنۡ تَقُوۡمَ فِیۡہِ ؕ فِیۡہِ رِجَالٌ یُّحِبُّوۡنَ اَنۡ یَّتَطَہَّرُوۡا ؕ وَاللّٰہُ یُحِبُّ الۡمُطَّہِّرِیۡنَo(۲)

''(اے حبیب!) آپ اس (مسجد کے نام پر بنائی گئی عمارت) میں کبھی بھی کھڑے نہ ہوں۔ البتہ وہ مسجد، جس کی بنیاد پہلے ہی دن سے تقویٰ پر رکھی گئی

(۱) المائدہ، ۵:۵۷

(۲) التوبۃ، ۹:۱۰۸

ہے، حقدار ہے کہ آپ اس میں قیام فرما ہوں۔ اس میں ایسے لوگ ہیں جو (ظاہراً و باطناً) پاک رہنے کو پسند کرتے ہیں، اور اللہ طہارت شعار لوگوں سے محبت فرماتا ہےo“

۱۲۔قوّتِ ارادی

داعی کے لئے ضروری ہے کہ وہ مضبوط قوتِ ارادی کا مالک ہو کیونکہ قوت ارادی ہی وہ وصف ہے جس پر دیگر تمام اوصاف کا انحصار ہے۔ جب داعی خود قوتِ ارادی کے اعتبار سے کمزور اور اپنی کمزوریوں اور خامیوں کو دور کرنے کی صلاحیت سے محروم ہوگا تو اس سے دوسروں کی اصلاح کی توقع کیسے کی جاسکتی ہے۔

۱۳۔شخصی وجاہت

پہلی چیز جو کسی کو متاثر کرتی ہے وہ داعی کی ظاہری شخصیت ہے۔ لوگ پہلے ہی نظر میں اندازہ لگالیتے ہیں کہ وہ کیسی شخصیت کا مالک ہے۔ داعی میں علم و دانش اور عمل و کردار کی پختگی کے ساتھ ساتھ شخصی وجاہت کا پایا جانا بھی ضروری ہے۔ قرآن حکیم میں اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

قَالَ اِنَّ اللهَ اصۡطَفٰهُ عَلَيۡكُمۡ وَزَادَهٗ بَسۡطَةً فِى الۡعِلۡمِ وَالۡجِسۡمِ۔(۱)

”(نبی نے) فرمایا: بیشک اللہ نے اسے تم پر منتخب کر لیا ہے اور اسے علم اور جسم میں زیادہ کشادگی عطا فرما دی ہے۔“

۱۴۔ملنساری

ضروری ہے کہ داعی میں ملنساری، میل ملاپ اور لوگوں سے گھل مل جانے کی صفت بدرجہ اتم موجود ہو تاکہ اس سے مل کر مانوسیت کا احساس اجاگر ہو۔ اسی کے پیشِ نظر

(۱) البقرہ، ۲: ۲۴۷

اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم ﷺ کو حکم فرمایا تھا کہ آپ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جو آپ کی صحبت میں رہنا پسند کرتے ہیں زیادہ وقت دیا کریں۔ چنانچہ ارشاد ہوا:

وَاصْبِر نَفْسَکَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰکَ عَنْهُمْ۔ (۱)

''(اے میرے بندے!) تو اپنے آپ کو ان لوگوں کی سنگت میں جمائے رکھا کر جو صبح و شام اپنے رب کو یاد کرتے ہیں اس کی رضا کے طلب گار رہتے ہیں (اس کی دید کے متمنی اور اس کا مکھڑا تکنے کے آرزومند ہیں) تیری (محبت اور توجہ کی) نگاہیں ان سے نہ ہٹیں۔''

اس آیہ کریمہ میں گویا حضور نبی اکرم ﷺ کی وساطت سے داعی کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ وہ لوگوں کے ساتھ رہے۔ ان کے دکھ سکھ میں شریک ہو تاکہ ان کے اندر اپنائیت کا احساس پیدا ہو اور وہ بہتر انداز سے ان کی تعلیم و تربیت کر سکے۔ ایک داعی میں ان اوصاف کا پایا جانا اشد ضروری ہے۔

۱۵۔ دینی عصبیت وحمیت

ایک داعی کے لئے ضروری ہے کہ بوقت ضرورت اس کی خاطر جان تک قربان کرنے سے بھی دریغ نہ کرے۔ اپنے دینی بھائیوں کے لئے ہمدردی اور رحمت کا جذبہ ہو اور جو دین دشمن قوتیں ہیں ان سے نفرت ہو۔ قرآن حکیم میں مومنین کی یہ صفت بیان کی گئی ہے کہ وہ آپس میں محبت رکھتے ہیں جبکہ کفار و مشرکین کے ساتھ ان کا رویہ سخت ہوتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ ط وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اَشِدَّآءُ عَلَى الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ۔ (۲)

(۱) الکہف، ۱۸: ۲۸

(۲) الفتح، ۴۸: ۲۹

’’محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں، اور جو لوگ آپ (ﷺ) کی معیت اور سنگت میں ہیں (وہ) کافروں پر بہت سخت اور زور آور ہیں آپس میں بہت نرم دل اور شفیق ہیں۔‘‘

پس جب تک ایک داعی کے اندر اپنے دین کے لئے اپنے رفقاء اور مخالفین کی نسبت اس قدر عصبیت وحمیت نہ پائی جائے وہ کامیاب داعی نہیں قرار دیا جاسکتا۔

۱۶۔ برداشتِ مُلامت

داعی کو چاہیے کہ دعوت الی اللہ کے نام پر ہونے والی لعن طعن اور ملامتوں سے بد دل اور بے حوصلہ نہ ہو بلکہ انہیں برداشت کرتے ہوئے اپنی منزل کی طرف بڑھتا چلا جائے۔ مخالفوں کے طعن و تشنیع، زبان درازیوں کی طرف متوجہ ہونے کی بجائے اس کی تمام تر توجہ اس مقصد کی طرف ہونی چاہیئے جس کے لئے وہ اس قدر محنت و مشقت کر رہا ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ کا وہ فرمان پیشِ نظر رکھنا چاہیئے جس میں اس نے اپنے محبوب ﷺ سے خطاب کرتے ہوئے یہ تسلی آمیز کلمات ارشاد فرمائے ہیں:

وَاصۡبِرۡ لِحُكۡمِ رَبِّکَ فَاِنَّکَ بِاَعۡيُنِنَا۔(۱)

’’اور (اے حبیبِ مکرّم! اِن کی باتوں سے غمزدہ نہ ہوں) آپ اپنے رب کے حکم کی خاطر صبر جاری رکھئے۔‘‘

گویا جب بندہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں آنے والی ہر مزاحمت اور رکاوٹ کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے ہر قسم کے حالات کا مردانہ وار مقابلہ کرنا اپنا شعار بنالے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروا نہ کرے تو حق کو سربلند ہونے سے کوئی نہیں روک سکتا۔ اگر قوم اجتماعی طور پر اس عزیمت کی راہ میں نکل آئے تو پھر وہ وقت زیادہ دور نہیں ہوگا جب ہر آنکھ لِيُظۡهِرَهٗ عَلَى الدِّيۡنِ كُلِّهٖ(۲) کا عملی نظارہ کرے۔

(۱) الطور، ۴۸:۵۲

(۲) التوبۃ، ۹: ۳۳

۱۷۔ مخاطبین کی نفسیات کا لحاظ

داعی کو لوگوں کی نفسیات، رجحانات و میلانات اور ان کے حالات کا بخوبی علم ہونا چاہئے۔ یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ ایک شخص معاشی الجھنوں میں مبتلا ہے اور اسے معاشی مسئلہ اور اس کے حل کے سوا اور کوئی بات نہیں سوجھتی، اگر اس سے نظام سیاست، تعلیم اور معیشت میں اصلاح وتبدیلی کی بات کی جائے تو اسے ان باتوں سے کوئی دلچسپی نہ ہوگی۔ اسی طرح ایک شخص جو بھوک اور فاقہ کشی کا عذاب سہہ رہا ہے اس سے توکل کے موضوع پر خطاب کیا جائے تو اس کا اس پر اثر نہیں ہوگا۔

اکثر یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ لوگ حکمت کو نظر انداز کر دیتے ہیں جس کا نتیجہ ناکامی کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔ حکمت کو پیشِ نظر نہ رکھنے سے سچ بات اور کلمۂ حق کا اثر زائل ہو جاتا ہے اس لئے دعوت دیتے وقت حکمت سے کام لینا چاہیے تاکہ زبان سے نکلے ہوئے الفاظ دل کی دنیا میں انقلاب لاسکیں۔

ایک وحشت زدہ شخص نارِ جہنم اور خوفِ آخرت کی باتوں سے اور وحشت زدہ ہو جاتا ہے۔ اس کی نفسیات کا تقاضا ہے کہ اس سے دوزخ کے عذاب کی باتیں کرنے کی بجائے اللہ کی رحمت و بخشش، فضل وکرم اور اخروی نعمتوں کی بات کی جائے تاکہ اس کی طبیعت دین کی طرف راغب ہو۔ ایک داعی الی اللہ کو حضور نبی اکرم ﷺ کے ارشاد کے مطابق دین کو آسان بنا کر پیش کرنا چاہیے۔

دعوت پر اِستقامت کے ثمرات

داعی کے لئے بے شمار انعامات و اکرامات سے ہیں، نزول ملائکہ ہوتا ہے اور بشارتیں ملتی ہیں۔ دعوت پر استقامت کے ثمرات کو قرآن مجید میں یوں بیان کیا گیا:

اِنَّ الَّذِیۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا تَتَنَزَّلُ عَلَیۡہِمُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا

تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَ اَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ○ نَحْنُ اَوْلِیٰٓؤُكُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَكُمْ فِیْهَا مَا تَشْتَهِیْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِیْهَا مَا تَدَّعُوْنَ○ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِیْمٍ○[1]

’’بیشک جن لوگوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے، پھر وہ (اِس پر مضبوطی سے) قائم ہوگئے، تو اُن پر فرشتے اترتے ہیں (اور کہتے ہیں) کہ تم خوف نہ کرو اور نہ غم کرو اور تم جنت کی خوشیاں مناؤ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا○ ہم دنیا کی زندگی میں (بھی) تمہارے دوست اور مددگار ہیں اور آخرت میں (بھی)، اور تمہارے لئے وہاں ہر وہ نعمت ہے جسے تمہارا جی چاہے اور تمہارے لئے وہاں وہ تمام چیزیں (حاضر) ہیں جو تم طلب کرو○ (یہ) بڑے بخشنے والے، بہت رحم فرمانے والے (رب) کی طرف سے مہمانی ہے○‘‘

ان آیاتِ مبارکہ میں دعوت پر استقامت کے درج ذیل ثمرات بیان کئے گئے ہیں۔

ا۔ نزولِ ملائکہ

جب داعی صاحبِ استقامت بن جائے تو اس پر فرشتے اترتے ہیں۔ حدیثِ مبارکہ میں ہے جس مجلس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر ہو ملائکہ اس کو اپنے پروں سے گھیر لیتے ہیں اور آسمانوں تک اس جگہ کو بھر دیتے ہیں۔

۲۔ خوف و حزن سے نجات

دعوت پر استقامت سے داعی کو بے خوفی کی کیفیت نصیب ہو جاتی ہے۔ کوئی بڑے سے بڑا سامنے آ جائے اس کا دل اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتا۔

(۱) حم السجدة، ۴۱: ۳۰-۳۲

پس اگر کوئی صاحبِ دعوت بے خوف وغم اور حوصلہ مند ہو تو یہ دو علامتیں اس بات کا ثبوت ہیں کہ اس پر ملائکہ اتر رہے ہیں۔

۳۔ جنت کی بشارت

صاحبِ استقامت اہل ایمان پر اترنے والے فرشتے انہیں دنیا و آخرت کی خوشخبریاں دیتے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لَهُمُ الْبُشْرٰى فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِى الْاٰخِرَةِ ط لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللهِ ط ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ○(۱)

’’ان کے لئے دنیا کی زندگی میں (بھی عزت و مقبولیت کی) بشارت ہے اور آخرت میں (بھی مغفرت و شفاعت کی/یا دنیا میں بھی نیک خوابوں کی صورت میں پاکیزہ روحانی مشاہدات ہیں اور آخرت میں بھی حُسنِ مطلق کے جلوے اور دیدار)، اللہ کے فرمان بدلا نہیں کرتے، یہی وہ عظیم کامیابی ہے○‘‘

۴۔ دنیا و آخرت میں فرشتوں کی معیت

جو داعی صاحبِ استقامت ہو کر بے خوف اور سراپا توکل بن جائے تو دنیا و آخرت میں ملائکہ کو اس کا رفیق بنا دیا جاتا ہے۔ ذرا غور کریں اس پیکر خاکی کی عظمت کا کیا عالم ہو گا جسے فرشتے آ کر کہیں کہ ہم تمہارے رفیق ہیں۔

۵۔ اُخروی اِنعامات

دنیا میں عطا کئے جانے والے ثمرات کے بعد اہلِ ایمان کو جنت کی بشارت دی گئی ہے اور اس میں ان کے لئے وہ سب کچھ ہو گا جس کو ان کا دل چاہے گا اور جو کچھ وہ

(۱) یونس، ۱۰: ۶۴

طلب کریں گے۔ یہ ایک جامع بشارت دی گئی کہ ہر ایک کو اس کی طلب کے مطابق وہاں عطا کیا جائے گا۔ اہل عبادت کو تو جنت اور اس کی نعمتیں ملیں گی مگر اہل محبت کو خود مالکِ جنت اللہ رب العزت ملے گا۔

۶۔ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِیْمٍ

اہلِ محبت کو اللہ تعالیٰ اپنی قربت سے نوازے گا اور ان کی اپنی شانِ کریمی سے خود میزبانی فرمائے گا۔

یہ تمام ثمرات و انعامات انہی کا نصیب ہوں گے جو دعویٰ توحید میں صادق اور صاحبِ استقامت ہوں گے اور دعوت الی اللہ کے راستے پر زندگی بھر کاربند رہنے والے ہوں گے۔

دعوت و تبلیغ سے غفلت کے نتائج

احکامِ الٰہی کی اطاعت اگر نعمتوں اور برکتوں کے نزول کا سبب ہے تو اس کی نافرمانی عذابِ الٰہی کو دعوت دینے سے مترادف ہے۔ بنی اسرائیل کے ایک گروہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖٓ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ وَاَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍۢ بَئِيْسٍۢ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ۝(۱)

”پھر جب وہ ان (سب) باتوں کو فراموش کر بیٹھے جن کی انہیں نصیحت کی گئی تھی (تو) ہم نے ان لوگوں کو نجات دے دی جو برائی سے منع کرتے تھے (یعنی نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرتے تھے) اور ہم نے (بقیہ سب) لوگوں کو جو (عملاً یا سکوتاً) ظلم کرتے تھے نہایت برے عذاب میں پکڑ لیا۔ اس وجہ سے کہ وہ نافرمانی کر رہے تھے۝“

(۱) الأعراف، ۷:۱۶۵

احادیث مبارکہ میں دعوت وتبلیغ سے غافل رہنے والوں کے لئے عذابِ الٰہی کی وعید ہے:

۱۔ حضرت اُسامہ بن زید ﷛ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ''(بروزِ قیامت) ایک شخص کو لایا جائے گا پھر اسے دوزخ میں پھینک دیا جائے گا تو وہ اس کے اندر اس طرح گھومے گا جیسے چکّی چلانے والا گدھا گھومتا ہے۔ جہنمی اس کے گرد جمع ہو جائیں گے اور پوچھیں گے: اے فلاں! کیا تو وہی شخص نہیں جو اچھی باتوں کا حکم دیتا تھا اور بری باتوں سے منع کیا کرتا تھا؟ وہ جواب دے گا:

إِنّي كُنْتُ آمُرُ بِالْمَعْرُوفِ وَلاَ أَفْعَلُهُ وَأَنْهَى عَنِ الْمُنْكَرِ وَأَفْعَلُهُ۔(۱)

''میں اچھی باتوں کا حکم تو دیتا تھا لیکن خود اس پر (بالکل) عمل نہیں کرتا تھا اور برے کاموں سے منع کرتا تھا لیکن خود اس سے باز نہیں رہتا تھا۔''

۲۔ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ کی حدود کے بارے میں نرمی برتنے والے اور ان میں مبتلا ہونے والے کی مثال ان لوگوں جیسی ہے جنہوں نے کشتی میں (سفر کرنے کے سلسلے میں) قرعہ اندازی کی تو بعض کے حصے میں نیچے والا حصہ آیا اور بعض کے حصے میں اوپر والا۔ پس نیچے والوں کو پانی کے لیے اوپر والوں کے پاس سے گزرنا ہوتا تھا تو اس سے اوپر والوں کو تکلیف ہوتی تھی۔ (چنانچہ اس خیال سے کہ اوپر کے لوگوں کو ان کے آنے جانے سے تکلیف ہوتی ہے) نیچے والوں میں سے

(۱) بخاری، الصحیح، کتاب: الفتن، باب: الفتنة التي تموج كموج البحر، ۶: ۲۶۰۰، رقم: ۶۶۸۵

ایک شخص نے کلہاڑا لیا اور کشتی کے نچلے حصے میں سوراخ کرنے لگا۔ تو وہ اس کے پاس آئے اور کہا: تجھے کیا ہوگیا ہے؟ اس نے کہا: تمہیں میری وجہ سے تکلیف ہوتی تھی اور پانی کے بغیر میرا گزارہ نہیں۔ پس اگر انہوں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور اسے بچالیا تو خود بھی بچ گئے، اگر اسے چھوڑ دیا تو اسے ہلاک کر دیا اور انہوں نے اپنے آپ کو بھی ہلاک کر ڈالا۔‘‘[۱]

۳۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ. فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ. فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ. وَذٰلِكَ أَضْعَفُ الإِيْمَانِ۔[۲]

’’تم میں سے جو کسی برائی کو دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے روکنے کی کوشش کرے اور اگر اپنے ہاتھ سے نہ روک سکے تو اپنی زبان سے روکے اور اگر اپنی زبان سے بھی روکنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو (کم از کم اس برائی کو) اپنے دل میں برا جانے۔ اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔‘‘

۴۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے:

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الشهادات، باب القرعة في المشكلات، ۲: ۹۵۴، رقم: ۲۵۴۰

۲۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب الفتن، باب: ما جاء في تغيير المنكر باليد أو باللسان أو بالقلب، ۴: ۴۷۰، رقم: ۲۱۷۳

(۲) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب: الإیمان، باب: بيان كون النهي عن المنكر من الإیمان، ۱: ۶۹، رقم: ۴۹

۲۔ ترمذي، الجامع الصحیح، أبواب الفتن، باب ما جاء في تَغْيير المنكر باليد أو باللسان أو بالقلب، ۴: ۴۳، رقم: ۲۱۷۲

إِنَّ النَّاسَ إِذَا رَأَوُا الظَّالِمَ فَلَمْ يَأْخُذُوا عَلَى يَدَيْهِ أَوْشَکَ أَنْ يَعُمَّهُمُ اللهُ بِعِقَابٍ مِنْهُ۔ (۱)

''جب لوگ ظالم کو (ظلم کرتا) دیکھیں اور اسے (ظلم سے) نہ روکیں تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو عذاب میں مبتلا کر دے۔''

۵۔ حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''جب بنی اسرائیل میں خرابی واقع ہوئی اس وقت ان میں سے بعض لوگ اپنے دوسرے بھائی کو گناہ کرتے دیکھ کر منع کرتے۔ جب دوسرا دن ہوتا تو اس خیال سے نہ روکتے کہ اس کے ساتھ کھانا پینا اور ہم مجلس ہونا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو باہم مخلوط کر دیا اور قرآن حکیم میں ان کے بارے میں (یہ حکم) نازل فرمایا:

لُعِنَ الَّذِيْنَ کَفَرُوْا مِنْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰی لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَی ابْنِ مَرْيَمَ ط ذٰلِکَ بِمَا عَصَوْا وَّ کَانُوْا يَعْتَدُوْنَ o کَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْکَرٍ فَعَلُوْهُ ط لَبِئْسَ مَا کَانُوْا يَفْعَلُوْنَ o تَرٰی کَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ کَفَرُوْا ط لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللهُ عَلَيْهِمْ وَفِی الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ o وَلَوْ کَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللهِ وَالنَّبِيِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَآءَ وَلٰـکِنَّ کَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ o (۲)

''بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں نے کفر کیا تھا انہیں داؤد اور عیسٰی ابن مریم

---

(۱) ۱۔ ترمذي، الجامع الصحيح، کتاب الفتن، باب ما جاء في نزول العذاب إذا لم يغير المنکر، ۴: ۴۰، رقم: ۲۱۶۸

۲۔ ابن ماجة، السنن، کتاب الفتن، باب: الأمر بالمعروف والنهي عن المنکر، ۲: ۱۳۲۷، رقم: ۴۰۰۵

(۲) المائدة، ۵: ۷۸، ۸۱

(علیہما السلام) کی زبان پر (سے) لعنت کی جا چکی (ہے)۔ یہ اس لئے کہ انہوں نے نافرمانی کی اور حد سے تجاوز کرتے تھے ۝ (اور اس لعنت کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ) وہ جو برا کام کرتے تھے ایک دوسرے کو اس سے منع نہیں کرتے تھے۔ بیشک وہ کام برے تھے جنہیں وہ انجام دیتے تھے ۝ آپ ان میں سے اکثر لوگوں کو دیکھیں گے کہ وہ کافروں سے دوستی رکھتے ہیں۔ کیا ہی بری چیز ہے جو انہوں نے اپنے (حسابِ آخرت) کے لئے آگے بھیج رکھی ہے (اور وہ) یہ کہ اللہ ان پر (سخت) ناراض ہوگیا، اور وہ لوگ ہمیشہ عذاب ہی میں (گرفتار) رہنے والے ہیں ۝ اور اگر وہ اللہ پر اور نبی (آخرالزماں ﷺ) پر اور اس (کتاب) پر جو ان کی طرف نازل کی گئی ہے ایمان لے آتے تو ان (دشمنانِ اسلام) کو دوست نہ بناتے، لیکن ان میں سے اکثر لوگ نافرمان ہیں ۝‘‘

حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ تکیہ لگائے ہوئے تھے پس آپ ﷺ اُٹھ بیٹھے اور فرمایا:

لَا، حَتّٰی تَأْخُذُوْا عَلَی يَدِ الظَّالِمِ فَتَأْطُرُوْهُ عَلَی الْحَقِّ أَطْرًا۔(۱)

’’تم بھی عذابِ الٰہی سے اس وقت تک نجات نہیں پا سکتے جب تک کہ تم ظالم کے ہاتھ پکڑ کر اسے راہ راست پر نہ لے آؤ۔‘‘

۶۔ حضرت جریر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

---

(۱) ۱۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب: تفسیر القرآن عن رسول اللہ ﷺ، باب: ومن سورة المائدة، ۵: ۱۳۹، رقم: ۳۰۴۸

۲۔ أبو داود، السنن، کتاب الملاحم، باب: الأمر والنهي، ۴: ۱۰۶، رقم: ۴۳۳۶

مَا مِنْ رَجُلٍ يَكُوْنُ فِي قَوْمٍ يُعْمَلُ فِيهِمْ بِالْمَعَاصِي يَقْدِرُوْنَ عَلَى أَنْ يُغَيِّرُوْا عَلَيْهِ فَلاَ يُغَيِّرُوا إِلَّا أَصَابَهُمُ اللهُ بِعَذَابٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَّمُوْتُوا۔ (۱)

’’جو شخص بھی ایسی قوم میں رہتا ہو جس میں برے کام کیے جاتے ہوں اور لوگ ان کو روکنے کی قدرت رکھنے کے باوجود نہ روکتے ہوں تو اللہ تعالیٰ انہیں ان کی موت سے قبل عذاب میں مبتلا کر دے گا۔‘‘

۷۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

’’کوئی شخص اپنے نفس کو حقیر نہ جانے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم میں سے کوئی کیسے اپنے نفس کو حقیر جان سکتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس طرح کہ تم میں سے کوئی شخص کوئی معاملہ دیکھے اور اسے اس بات کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا حکم بھی معلوم ہو پھر بھی بیان نہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس سے قیامت کے دن فرمائے گا:

مَا مَنَعَکَ أَنْ تَقُوْلَ فِي كَذَا وَكَذَا؟ فَيَقُوْلُ: خَشْيَةُ النَّاسِ. فَيَقُوْلُ فَإِيَّایَ كُنْتَ أَحَقَّ أَنْ تَخْشَى۔ (۲)

---

(۱) ۱۔ أبو داود، السنن، کتاب الملاحم، باب الأمر والنهي، ۴: ۱۰۷، رقم: ۴۳۳۹

۲۔ ابن ماجة، السنن، كتاب الفتن، باب الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر، ۲: ۴۰۳، رقم: ۴۰۰۹

(۲) ۱۔ ابن ماجة، السنن، كتاب الفتن، باب الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر، ۲: ۴۰۲، رقم: ۴۰۰۸

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۴۷، رقم: ۱۱۴۵۸

”تجھے فلاں معاملہ میں (حق بات) کہنے سے کس نے منع کیا تھا؟ وہ جواب دے گا: لوگوں کے خوف نے۔ اس پر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تمہیں (ان سب سے بڑھ کر) مجھ سے ڈرنا چاہیے تھا۔“

۸۔ حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

إِنَّ اللهَ تَبَارَکَ وَتَعَالَى لَا يُعَذِّبُ الْعَامَّةَ بِذَنْبِ الْخَاصَّةِ. وَلَكِنْ إِذَا عُمِلَ الْمُنْكَرُ جِهَارًا اسْتَحَقُّوا الْعُقُوبَةَ كُلُّهُمْ۔ (۱)

”یہ معروف تھا کہ بے شک اللہ تعالیٰ خاص لوگوں کے گناہوں کے سبب عامۃ الناس کو عذاب نہیں دیتا۔ لیکن جب برائی سرعام کی جانے لگے تو سب لوگ (خاص و عام) بلا امتیاز عذاب کے مستحق بن جاتے ہیں۔“

۹۔ حضرت عبد الرحمن حضرمی بیان کرتے ہیں: مجھے اس نے خبر دی جس نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

إِنَّ مِنْ أُمَّتِي قَوْمًا يُعْطَوْنَ مِثْلَ أُجُوْرِ أَوَّلِهِمْ يُنْكِرُوْنَ الْمُنْكَرَ۔ (۲)

”بے شک میری امت میں ایک قوم ایسی ہے جس کو پہلے لوگوں کے اجور (ثواب) کی طرح کا اجر دیا جائے گا۔ وہ برائی سے منع کرنے والے ہوں گے۔“

۱۰۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

”اللہ عزوجل نے جبریل علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ فلاں فلاں شہر کو اس کے باشندگان سمیت پلٹ دو (تباہ و برباد کر کے رکھ دو)۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

(۱) مالك، الموطأ، ۲: ۹۹۱، رقم: ۲۳

(۲) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۵: ۳۷۵، رقم: ۲۳۵۶۸

۲۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۷: ۲۶۱، ۷: ۲۷۱

جبریل نے عرض کیا: اے میرے رب! ان میں تیرا وہ بندہ بھی ہے جس نے آنکھ جھپکنے کے برابر بھی تیری نافرمانی نہیں کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: رب تعالیٰ نے فرمایا:

أَقْلِبُهَا عَلَيْهِمْ، فَإِنَّ وَجْهَهُ لَمْ يَتَمَعَّرْ فِيَّ سَاعَةً قَطُّ۔(۱)

''اس شہر کو ان پر پلٹ دے کیونکہ اس شخص کا چہرہ کبھی ایک گھڑی بھی میری خاطر (برائی کو دیکھ کر) متغیر نہیں ہوا۔''

حرفِ آخر

معزز قارئین! ہم نے دعوت و تبلیغ کی یہ مختصر بحث ''حسنِ اَعمال'' پر مشتمل اِس کتاب کے آخر میں رکھی ہے۔ اِس کا پہلا مقصد یہ ہے کہ وہ خوبیاں جو ایک صالح، متقی اور بہترین مسلمان مرد و عورت میں ہونی چاہییں اُنہیں حاصل کرنے کی ہر ممکن سعی ہو۔ اِسلام متحرک اور متعدی دین ہے۔ جو عمل اپنے لیے پسندیدہ اور محبوب ہوتا ہے وہی دوسروں کے لیے بھی محبوب رکھنے کا حکم ہے۔ اِنسانِ مرتضیٰ بننے کے لیے جن اَوصاف کی ضرورت ہوتی ہے اُن پر عمل کرنے اور اُن خوبیوں کو عام کرنے کے لیے پختہ سیرت و کردار اور حسنِ نیت درکار ہوتی ہے۔ یہ اَعمالِ صالحہ جب اپنی سیرت کا حصہ بن جائیں تو ضروری ہوجاتا ہے کہ اِنسان اپنے اِرد گرد کے ماحول کو بھی اِس نعمتِ عمل سے مستفید کرے۔ ہمیں اُمید ہے کہ اِن شاء اللہ تعالیٰ ہماری یہ کاوِش اُمتِ مسلمہ کے خواتین و حضرات کے علم و عمل اور ایمان میں اِضافہ اور خیر و برکت کا باعث بنے گی۔

﴿آمین بجاہِ سید المرسلین ﷺ﴾

---

(۱) ۱۔ بيهقي، شعب الإيمان، ۶: ۹۷، رقم: ۷۵۹۵

۲۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۷: ۳۳۶، رقم: ۷۶۶۱

مآخذ و مراجع

www.MinhajBooks.com

www.MinhajBooks.com منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش

۱۔ **القرآن الحکیم**

۲۔ **آلوسی،** ابو الفضل شہاب الدین السید محمود (م۱۲۷۰ھ)۔ روح المعاني فی تفسیر القرآن العظیم و السبع المثاني۔ بیروت، لبنان: دار الاحیاء التراث۔

۳۔ **ابراہیم انیس۔** المعجم الوسیط۔ بیروت، لبنان: ۱۳۹۲ھ/ ۱۹۷۲ء۔

۴۔ **احمد بن حنبل،** ابو عبد اللہ بن محمد (۱۶۴۔۲۴۱ھ/۷۸۰۔۸۵۵ء)۔ المسند۔ بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی، ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء۔

۵۔ **اِسماعیل حقی،** علامہ حنفیؒ (م۱۱۳۷ھ)۔ تفسیر روح البیان۔ کوئٹہ، پاکستان: مکتبۂ اِسلامیہ۔

۶۔ **ابن اسحاق،** محمد بن اسحاق بن یسار بن خیار، ابو بکر القرشی المدنی المطلبی (م۱۵۱ھ)۔ السیرۃ النبویۃ۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیۃ، ۲۰۰۴م / ۱۴۲۴ھ۔

۷۔ **بخاری،** ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ (۱۹۴۔۲۵۶ھ/ ۸۱۰۔۸۷۰ء)۔ الصحیح۔ بیروت، لبنان، دمشق، شام: دار القلم، ۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۱ء۔

۸۔ **بخاری،** ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ (۱۹۴۔۲۵۶ھ/۸۱۰۔ ۸۷۰ء)۔ ادب المفرد۔ بیروت، لبنان: دار البشائر الاسلامیہ، ۱۱۸۔۱۸۱ھ۔

۹۔ **بزار**، ابو بکر احمد بن عمرو بن عبد الخالق بصری (۲۱۰۔۲۹۲ھ/ ۸۲۵۔۹۰۵ء)۔ **المسند**۔ بیروت، لبنان: مکتبہ العلوم والحکم، ۱۴۰۹ھ۔

۱۰۔ **بستانی**، معلم بطرس (۱۸۱۹۔۱۸۸۳ء)۔ **محیط المحیط**۔ لبنان: مکتبہ، ۱۹۴۴۔ ۱۹۷۹۔

۱۱۔ **بیہقی**، ابو بکر احمد بن حسین بن علی بن عبد اللہ بن موسیٰ (۳۸۴۔۴۵۸ھ/ ۹۹۴۔۱۰۶۶ء)۔ **السنن الکبریٰ**۔ مکہ مکرمہ، سعودی عرب: مکتبہ دار الباز، ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۴ء۔

۱۲۔ **بیہقی**، ابو بکر احمد بن حسین بن علی بن عبد اللہ بن موسیٰ (۳۸۴۔۴۵۸ھ/ ۹۹۴۔۱۰۶۶ء)۔ **المدخل اِلٰی السنن الکبریٰ**۔ الکویت، دار الخلفاء للکتاب الاسلامی، ۱۹۹۸ء۔

۱۳۔ **بیہقی**، ابو بکر احمد بن حسین بن علی بن عبد اللہ بن موسیٰ (۳۸۴۔۴۵۸ھ/ ۹۹۴۔۱۰۶۶ء)۔ **شُعَبُ الایمان**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۰ھ/۱۹۹۰ء۔

۱۴۔ **ترمذی**، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ بن موسیٰ بن ضحاک سلمی (۲۱۰۔ ۲۷۹ھ/ ۸۲۵۔۸۹۲ء)۔ **الجامع الصحیح**۔ بیروت، لبنان: دار الغرب الاسلامی، ۱۹۹۸ء۔

۱۵۔ **ترمذی**، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ بن موسیٰ بن ضحاک سلمی (۲۱۰۔ ۲۷۹ھ/ ۸۲۵۔۸۹۲ء)۔ **الشمائل المحمدیة**۔ المؤسسہ العالمیہ، ۱۴۲۲ھ/ ۲۰۰۱ء۔

۱۶۔ **ترمذی**، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ بن موسیٰ بن ضحاک سلمی (۲۱۰۔ ۲۷۹ھ/ ۸۲۵۔۸۹۲ء)۔ نوادر الأصول۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی۔

۱۷۔ **ابن جعد**، ابو الحسن علی بن جعد بن عبید الجوھری (۱۳۴۔۲۳۰ھ/ ۷۵۰۔ ۸۴۵ء)۔ **المسند**۔ بیروت، لبنان: مؤسسہ نادر، ۱۴۱۰ھ/ ۱۹۹۰ء۔

۱۸۔ **حاکم**، ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ بن محمد (۳۲۱۔۴۰۵ھ/ ۹۳۳۔۱۰۱۴ء)۔ المستدرک علی الصحیحین۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۱ھ/ ۱۹۹۰ء۔

۱۹۔ **ابن حبان**، ابو حاتم محمد بن حبان بن احمد بن حبان (۲۷۰۔۳۵۴ھ/ ۸۸۴۔ ۹۶۵ء)۔ الصحیح۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۴۱۴ھ/ ۱۹۹۳ء۔

۲۰۔ **حلبی**، علی بن برھان الدین۔ السیرۃ الحلبیۃ۔ بیروت، لبنان: مکتبۃ الاسلامیۃ۔

۲۱۔ **حمیدی**، ابو بکر عبداللہ بن زبیر (م ۲۱۹ھ/ ۸۳۴ء)۔ المسند۔ حیدر آباد الدکن، الہند: ۱۳۸۲ھ/ ۱۹۶۳ء۔

۲۲۔ **ابن خزیمہ**، ابو بکر محمد بن اسحاق (۲۲۳۔۳۱۱ھ/ ۸۳۸۔۹۲۴ء)۔ الصحیح۔ بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی، ۱۳۹۰ھ/ ۱۹۷۰ء۔

۲۳۔ **خطیب بغدادی**، ابو بکر احمد بن علی بن ثابت بن احمد بن مہدی بن ثابت (۳۹۲۔۴۶۳ھ/ ۱۰۰۲۔۱۰۷۱ء)۔ تاریخ بغداد۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ۔

۲۴۔ **خطیب تبریزی**، محمد بن عبداللہ الخطیب۔ مشکاۃ المصابیح۔ بیروت،

لبنان: دارالفکر، ۱۴۱۴۔۱۹۹۴ء۔

۲۵۔ **دارقطنی**، ابوالحسن علی بن عمر بن احمد بن مہدی بن مسعود بن نعمان (۳۰۶۔ ۳۸۵ھ/۹۱۸۔۹۹۵ء)۔ السنن۔ بیروت، لبنان: عالم الکتب، ۱۴۱۳ھ/ ۱۹۹۳ء۔

۲۶۔ **دارمی**، ابو محمد عبد اللہ بن عبد الرحمٰن (۱۸۱۔۲۵۵ھ/ ۷۹۷۔۸۶۹ء)۔ **السنن**۔ بیروت، لبنان: دار الکتاب العربی، ۱۴۰۷ھ۔

۲۷۔ **ابوداؤد**، سلیمان بن اشعث سجستانی (۲۰۲۔۲۷۵ھ/ ۸۱۷۔۸۸۹ء)۔ السنن۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۴ء۔

۲۸۔ **ابو داؤد**، سلیمان بن اشعث سجستانی (۲۰۲۔۲۷۵ھ/ ۸۱۷۔۸۸۹ء)۔ المراسیل۔ کویت: معہد الشریعہ والصناعہ۔

۲۹۔ **دیلمی**، ابوشجاع شیرویہ بن شہردار بن شیرویہ بن فناخسرو ہمذانی (۴۴۵۔۵۰۹ھ/ ۱۰۵۳۔۱۱۱۵ء)۔ الفردوس بمأثور الخطاب۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۹۸۷ء۔

۳۰۔ **ذہبی**، شمس الدین محمد بن احمد (۶۷۳۔۷۴۸ھ)۔ سیر أعلام النبلاء۔ بیروت، لبنان: دارالفکر، ۱۴۱۷ھ/۱۹۹۷ء۔

۳۱۔ **ابن رشد**، محمد بن احمد بن محمد بن احمد بن رشد القرطبی الاندلسی (۵۹۵ھ)۔ بدایۃ المجتهد ونهایۃ المقتصد۔ قاہرہ، مصر: مکتبۃ الکلیات الازہریۃ، ۱۳۹۴ھ/۱۹۷۴ء۔

۳۲۔ **راغب اصفہانی**، حسین بن محمد بن فضیل (۴۲۵ھ) مفردات الفاظ القرآن۔ بیروت، لبنان: دارالقلم دمشق، ۱۴۱۲ھ/ ۱۹۹۲ء۔

۳۳۔ سخاوی، شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن السخاوی (۹۰۲ھ)۔ المقاصد الحسنة۔ بیروت، لبنان: دارالکتب العلمیہ، ۱۳۹۹ھ/ ۱۹۷۹ء۔

۳۴۔ سخاوی، الشیخ شمس الدین محمد عبد الرحمٰن السخاوی (۹۰۲ھ)۔ القول البدیع فی الصلاة علی الحبیب الشفیع۔ مدینہ منورہ، سعودی عرب: المکتبہ العلمیہ، ۱۳۹۷ھ/ ۱۹۷۷ء۔

۳۵۔ ابن سعد، ابو عبد اللہ محمد (۱۶۸۔۲۳۰ھ/ ۷۸۴۔۸۴۵ء)۔ الطبقات الکبریٰ۔ بیروت، لبنان: دار بیروت للطباعہ و النشر، ۱۳۹۸ھ/ ۱۹۷۸ء۔

۳۶۔ سعید بن منصور، سعد بن عبداللہ بن عبدالعزیز آل حمید (۲۲۷ھ)۔ سنن سعید بن منصور۔ دارالصمیعي للنشر والتوزیع المکتبة العربیة السعودیة، ۱۴۲۰ھ/ ۲۰۰۰ء۔

۳۷۔ سیوطی، جلال الدین ابوالفضل عبد الرحمٰن بن ابی بکر بن محمد بن ابی بکر بن عثمان (۸۴۹۔۹۱۱ھ/ ۱۴۴۵۔۱۵۰۵ء)۔ شرح الصدور فی أحوال الموتی والقبور۔ بیروت، لبنان: دارالمعرفة، ۱۴۲۰ھ/ ۱۹۹۹ء۔

۳۸۔ سیوطی، جلال الدین ابوالفضل عبد الرحمٰن بن ابی بکر بن محمد بن ابی بکر بن عثمان (۸۴۹۔۹۱۱ھ/ ۱۴۴۵۔۱۵۰۵ء)۔ الجامع الصغیر فی أحادیث البشیر النذیر۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ۔

۳۹۔ شاہ ولی اللہ، محدث دہلوی (۱۱۷۶ھ۔۱۷۶۲ء) ھمعات۔ حیدر آباد، پاکستان: شاہ ولی اللہ اکیڈمی، ۱۴۰۹ھ/ ۱۹۸۹ء۔

۴۰۔ شوکانی، محمد بن علی بن محمد (۱۱۷۳۔۱۲۵۰ھ/ ۱۷۶۰۔۱۸۳۴ء)۔ نیل الأوطار شرح منتقی الأخبار۔ بیروت، لبنان: دار الفکر،

۱۴۰۲ھ/۱۹۸۲ء۔

۴۱۔ **ابن ابی شیبہ**، ابوبکر عبد اللہ بن محمد بن ابراہیم بن عثمان کوفی (۱۵۹۔۲۳۵ھ/ ۷۷۶۔۸۴۹ء)۔ المصنف۔ ریاض، سعودی عرب: مکتبۃ الرشد، ۱۴۰۹ھ۔

۴۲۔ **ابو طالب مکی**، محمد بن علی بن عطیہ الحارثی المکی (م۳۸۶ھ) ۔قوت القلوب۔مصر: ۱۳۸۱۔۱۹۶۱م۔

۴۳۔ **طبرانی**، سلیمان بن احمد (۲۶۰۔۳۶۰ھ/۸۷۳۔۹۷۱ء)۔ مسند الشامیین۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۴ء۔

۴۴۔ **طبرانی**، سلیمان بن احمد (۲۶۰۔۳۶۰ھ/۸۷۳۔۹۷۱ء)۔ المعجم الأوسط۔ ریاض، سعودی عرب: مکتبۃ المعارف، ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵ء۔

۴۵۔ **طبرانی**، سلیمان بن احمد (۲۶۰۔۳۶۰ھ/۸۷۳۔۹۷۱ء)۔ المعجم الکبیر۔موصل، عراق: مطبعۃ الزہراء الحدیثیہ بالموصل، ۱۴۰۴ھ/۱۹۸۳ء۔

۴۶۔ **طبرانی**، سلیمان بن احمد (۲۶۰۔۳۶۰ھ/۸۷۳۔۹۷۱ء)۔ کتاب الدعاء۔ بیروت، لبنان: دارالکتب العلمیۃ، ۱۴۲۱ھ/ ۲۰۰۱ء۔

۴۷۔ **طبری**، ابوجعفر محمد بن جریر بن یزید (۲۲۴۔۳۱۰ھ/۸۳۹۔۹۲۳ء)۔ جامع البیان فی تفسیر القرآن۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ، ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء۔

۴۸۔ **طیالسی**، ابو داؤد سلیمان بن داؤد جارود (۱۳۳۔۲۰۴ھ/۷۵۱۔۸۱۹ء)۔ المسند۔ بیروت، لبنان: دارالکتب، ۱۴۲۵ھ/۲۰۰۴ء۔

۴۹۔ **عبدالرزاق**، ابوبکر بن ہمام بن نافع صنعانی (۱۲۶۔۲۱۱ھ/۷۴۴۔ ۸۲۶ء)۔ المصنف۔ بیروت، لبنان: المکتبۃ الاسلامی، ۱۴۰۳ھ۔

۵۰۔ **عبدالقادر جیلانی**، ابو صالح شیخ عبدالقادر بن موسیٰ بن عبداللہ البغدادی (۴۷۰۔۵۶۱ھ)۔ **غنیة الطالبین**۔ بیروت، لبنان: المکتبہ الثقافیہ۔

۵۱۔ **عبدالقادر جیلانی**، ابو صالح شیخ عبدالقادر بن موسیٰ بن عبداللہ الجیلانی البغدادی (۴۷۰۔۵۶۱ھ)۔ **فتوح الغیب**۔ بیروت، لبنان: المکتبہ الثقافیہ، ۱۴۱۷ھ/ ۱۹۹۷ء۔

۵۲۔ **عبدالقادر جیلانی**، ابو صالح شیخ عبدالقادر بن موسیٰ بن عبداللہ البغدادی (۴۷۰۔۵۶۱ھ)۔ **الفتح الرباني والفيض الرحماني**۔ دارالفکر بیروت، لبنان: ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۸ء۔

۵۳۔ **عجلونی**، ابو الفداء اسماعیل بن محمد بن عبد الهادی بن عبد الغنی جراحی (۱۰۸۷۔ ۱۱۶۲ھ/ ۱۶۷۶۔۱۷۴۹ء)۔ **كشف الخفا و مزيل الإلباس عما اشتهر من الأحاديث على ألسنة الناس**۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵ء۔

۵۴۔ **عسقلانی**، احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی بن احمد کنانی (۷۷۳۔۸۵۲ھ/ ۱۳۷۲۔ ۱۴۴۹ء)۔ **فتح الباری بشرح صحیح البخاری**۔ لاہور، پاکستان: دارنشر الکتب الاسلامیہ، ۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۱ء۔

۵۵۔ **عسقلانی**، احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی بن احمد کنانی (۷۷۳۔۸۵۲ھ/ ۱۳۷۲۔۱۴۴۹ء)۔ **لسان الميزان**۔ بیروت، لبنان، مؤسسۃ الأعلمی المطبوعات، ۱۴۰۶ھ/ ۱۹۸۸ء۔

۵۶۔ **ابن عطار**، فریدالدین، **تذكرة الاولياء**۔ بمبئی، مطبع فتح الکریم، ۱۳۰۵ھ۔

۵۷۔ **علی ہجویری**، ابوالحسن علی بن ابی علی عثمان جلابی غزنوی (م ۵۰۰ھ)۔ **کشف**

المحجوب۔ اسلام آباد، پاکستان: انتشارات مرکز تحقیقات فارسی۔

۵۸۔ **ابوعوانہ**، یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم بن زید نیشاپوری (۲۳۰۔۳۱۶ھ/ ۸۴۵۔۹۲۸ء)۔ **المسند**۔ بیروت، لبنان: دارالمعرفہ، ۱۹۹۸ء۔

۵۹۔ **عینی**، بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد بن موسیٰ بن احمد بن حسین بن یوسف بن محمود (۷۶۲۔۸۵۵ھ/ ۱۳۶۱۔۱۴۵۱ء)۔ **عمدة القاری شرح صحیح البخاری**۔ بیروت، لبنان: دارالفکر، ۱۳۹۹ھ/ ۱۹۷۹ء۔

۶۰۔ **غزالی**، حجۃ الاسلام امام ابو حامد محمد (۴۵۰۔۵۰۵/ ۱۰۵۸۔۱۱۱۱ء)۔ **إحیاء علوم الدین**۔ بیروت، لبنان: دارالمعرفۃ۔

۶۱۔ **ابن فارس**، ابی الحسین احمد بن فارس بن زکریا (م ۳۹۵ھ)۔ **معجم مقاییس اللغة**۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربیہ، ۱۴۲۲ھ/ ۲۰۰۱ء۔

۶۲۔ **فیروز آبادی**، مجد الدین محمد بن یعقوب (م ۷۱۱ء)۔ **القاموس المحیط**۔ بیروت، لبنان: المؤسسہ العربیہ للطباعہ والنشر۔

۶۳۔ **قرطبی**، ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن محمد بن یحییٰ بن مفرج اُموی (۲۸۴۔۳۸۰ھ/ ۸۹۷۔۹۹۰ء)۔ **الجامع لاحکام القرآن**۔ بیروت، لبنان: داراحیاء التراث العربی۔

۶۴۔ **قشیری**، العلامہ ابی القاسم عبدالکریم بن ہوازن النیشاپوری (۳۷۶ھ/ ۹۸۶ء)۔ **الرسالۃ القشیریۃ**۔ بیروت، لبنان: دارالجمیل۔

۶۵۔ **قضاعی**، ابوعبداللہ محمد بن سلامہ بن جعفر بن علی بن حکمون بن ابراہیم بن محمد بن مسلم قضاعی (م ۴۵۴ھ/ ۱۰۶۲ء)۔ **مسند الشہاب**۔ بیروت، لبنان:

مؤسسۃ الرسالہ، ۱۴۰۷ھ/ ۱۹۸۶ء۔

۶۶۔ **ابن کثیر**، ابو الفداء اسماعیل بن عمر (۷۰۱۔۷۷۴ھ/۱۳۰۱۔۱۳۷۳ء)۔ **تفسیر القرآن العظیم**۔ پاکستان: امجد اکیڈمی، ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۲ء۔

۶۷۔ **کنانی**، احمد بن ابی بکر بن اسماعیل (۷۶۲۔۸۴۰ھ)۔ **مصباح الزجاجة فی زوائد ابن ماجة**۔ بیروت، لبنان: دار العربیہ، ۱۴۰۳ھ۔

۶۸۔ **ابن ماجہ**، ابو عبد اللہ محمد بن یزید قزوینی (۲۰۹۔۲۷۵ھ/۸۲۴۔۸۸۷ء)۔ **السنن**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۹ھ/۱۹۹۸ء۔

۶۹۔ **ابن مبارک**، ابو عبدالرحمٰن عبداللہ بن واضح مروزی (۱۳۶۔ ۱۸۱ھ/۷۳۶۔ ۷۹۷ء)۔ **کتاب الذهد ویلیة کتاب الرقائق**۔ بیروت، لبنان: دارالکتب العلمیہ۔

۷۰۔ **مالک**، ابن انس بن مالک رضی اللہ عنہ بن ابی عامر بن عمرو بن حارث اصبحی (۹۳۔ ۱۷۹ھ/۷۱۲۔۷۹۵ء)۔ **الموطا**۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی، ۱۴۰۶ھ/ ۱۹۸۵ء۔

۷۱۔ **مسلم**، ابن الحجاج قشیری (۲۰۶۔ ۲۶۱ھ/۸۲۱۔۸۷۵ء)۔ **الصحیح**۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی۔

۷۲۔ **مقدسی**، شیخ ضیاء الدین ابو عبد اللہ محمد بن عبد الواحد بن عبد الرحمان الحنبلی (۵۶۷۔۶۴۳ھ)۔ **الاحایث المختارة**۔ المکۃ المکرّمۃ، سعودی عرب: مکتبۃ النهضۃ، ۱۴۱۰ھ/ ۱۹۹۰ء۔

۷۳۔ **ملا علی قاری**، نور الدین بن سلطان محمد ہروی حنفی (م ۱۰۱۴ھ/ ۱۶۰۶ء)۔ **مرقاة المفاتیح شرح مشكوٰة المصابیح**۔ بمبئی، بھارت: اصح

المطابع۔

۷۴۔ **مناوی**، عبدالرؤف بن تاج العارفین بن علی بن زین العابدین (۹۵۲۔ ۱۰۳۱ھ/ ۱۵۴۵۔۱۶۲۱ء)۔ **فیض القدیر شرح الجامع الصغیر**۔ مصر: دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، ۱۴۲۲ھ۔

۷۵۔ **منذری**، ابو محمد عبد العظیم بن عبد القوی بن عبد اللہ بن سلامہ بن سعد (۵۸۱۔ ۶۵۶ھ/ ۱۱۸۵۔۱۲۵۸ء)۔ **الترغیب و الترھیب من الحدیث الشریف**۔ بیروت، لبنان: داراحیاء التراث العربی، ۱۳۸۸ھ/ ۱۹۶۸ء۔

۷۶۔ **ابن منظور**، امام العلامۃ ابو الفضل جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور الافریقی المصری (م ۷۱۱ھ)۔ **لسان العرب**۔ بیروت، لبنان: دار صادر۔

۷۷۔ **نبہانی**، یوسف بن اسماعیل (۱۲۶۵۔۱۳۵۰ھ)۔ **سعادت الدّارین**۔ مکتبہ رحمانیہ قندھار، افغانستان:

۷۸۔ **نسائی**، احمد بن شعیب (۲۱۵۔۳۰۳ھ/ ۸۳۰۔۹۱۵ء)۔ **السنن**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۶ھ/ ۱۹۹۵ء۔

۷۹۔ **نسائی**، احمد بن شعیب النسائی (۲۱۵۔۳۰۳ھ/ ۸۳۰۔۹۱۵ء)۔ **السنن الکبری**۔ بیروت، لبنان: مکتب تحقیق التراث، ۱۴۱۱ھ/ ۱۹۹۱ء۔

۸۰۔ **ابونعیم**، احمد بن عبد اللہ بن احمد بن اسحاق بن موسیٰ بن مہران اصبہانی (۳۳۶۔۴۳۰ھ/ ۹۴۸۔۱۰۳۸ء)۔ **حلیۃ الاولیاء و طبقات الاصفیاء**۔ بیروت، لبنان: دار الکتاب العربی، ۱۴۰۰ھ/ ۱۹۸۰ء۔

۸۱۔ **نور الدین**، علی بن محمد بن سلطان (م ۱۰۱۴ھ)۔ **الأسرار المرفوعۃ فی**

الأخبار الموضوعة۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵ء۔

۸۲۔ **نووی**، ابو زکریا، یحییٰ بن شرف بن مری بن حسن بن حسین بن محمد بن جمعہ بن حزام (۶۳۱۔۶۷۷ھ/۱۲۳۳۔۱۲۷۸ء)۔ شرح صحیح مسلم۔ بیروت، لبنان: دارالاحیاء التراث، ۱۳۹۲ھ/۱۹۷۲ء۔

۸۳۔ **ابن ہمام**، کمال الدین محمد بن عبد الواحد السیواسی (م۶۸۱ھ)۔ فتح القدیر۔ کوئٹہ، پاکستان: مکتبہ رشیدیہ

۸۴۔ **ہندی**، حسام الدین، علاء الدین علی متقی (م ۹۷۵ھ)۔ کنز العمال۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۳۹۹/ ۱۹۷۹۔

۸۵۔ **ہیثمی**، نور الدین ابو الحسن علی بن ابی بکر بن سلیمان (۷۳۵۔۸۰۷ھ/ ۱۳۳۵۔۱۴۰۵ء)۔ مجمع الزوائد و منبع الفوئد۔ قاہرہ، مصر: دارالریان للتراث، بیروت، لبنان: دار الکتاب العربی، ۱۴۰۷ھ/ ۱۹۸۷ء۔

۸۶۔ **ابو یعلی**، احمد بن علی بن مثنی بن یحیی بن عیسیٰ بن ہلال موصلی تمیمی (۲۱۰۔ ۳۰۷ھ/ ۸۲۵۔۹۱۹ء)۔ المسند۔ دمشق، شام: دار المأمون للتراث، ۱۴۰۴ھ/۱۹۸۴ء۔

۸۷۔ **ابو یعلی**، احمد بن علی بن مثنی بن یحیی بن عیسیٰ بن ہلال موصلی تمیمی (۲۱۰۔ ۳۰۷ھ/ ۸۲۵۔۹۱۹ء)۔ المعجم۔ فیصل آباد، پاکستان، ادارۃ العلوم والاثریہ، ۱۴۰۷ھ۔

www.MinhajBooks.com